وهو الغفور الرحیم

بتوفیق اللہ تعالیٰ مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مسمّٰی بہ

تصفیۃ العقائد

بہتمام

(مولوی) محمد اسحاق صاحب مدیر

کتبخانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور

شائع گردید

ہر قسم کی دینی غیر دینی علمائے حقانی کی تصانیف نہایت ارزاں ملنے کا پتہ | کتبخانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح کی دیگر تصانیف

نام کتاب	قیمت
صداقت اسلام یعنی تقریر دلپذیر محشیٰ و معنون حضرت مولانا کی وہ مشہور و معروف تالیف ہے جو کلامی دنیا میں ایک قابلقدر چیز ہے اسلامی توحید و رسالت اور اسکے بنیادی اصول پر ایسے محققانہ عقلی دلائل کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے کہ تمام فرق باطلہ کو بھی دلائل عقلیہ کی بنا پر اس تسلیم سے چارہ نہیں رہتا کہ اسلام ہی ایک نجات دہندہ مذہب ہے اسکی قدر و منزلت اہل علم حضرات سے دریافت کیجئے کہ وہ اسکے کسقدر دلدادہ و شیدا ہیں یہ کتاب مع عنوانات جدید و قدیم حاشیہ چھپکر عرصہ ہوا نایاب ہوگئی تھی حال ہی میں کتب خانہ رحیمیہ نے اپنی خاص اہتمام سے ۱۸×۲۲ سائز پر بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ کرکے نہایت عمدہ گلیز کاغذ پر طبع کرایا ہے قیمت مثل سابق صرف عہ	عہ
حجۃ الاسلام اثبات توحید و رسالت اور ارکان اسلام کے فطری ہونیکی بحث میں بے نظیر رسالہ ہے سائز ۱۸×۲۲ کاغذ ۱۸ پونڈ گلیز قیمت میں پہلے سے تخفیف کردی گئی ہے یعنی بجائے ۸ر کے	۶ر

نام کتاب	قیمت
تحفہ لحمیہ جسمیں دلائل فطریہ و عقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ انسان فطرۃً گوشت کھانیوالا ہے کاغذ گلیز ۲۰ پونڈ قیمت صرف	۱ر
انتصار الاسلام کلاں محشیٰ و معنون جسمیں محققانہ طور پر دیانند سرستی بانی آریہ سماج کے ان نو اعتراضات کے دنداں شکن جوابات درج ہیں جنکو لاینحل سمجھکر پنڈت جی نے روڑکی کے زبردست و عام جلسہ میں کئے تھے قیمت	۶ر
جمال قاسمی سماع موتی و حیات النبی پر ایک دلکش بحث۔ قیمت صرف	۱ر
آب حیات قیمت	عہ
اسرار قرآنی "	۲ر
انتباہ المومنین "	۱ر
تحذیر الناس "	۳ر
توثیق الکلام ۲ر **جواب ترکی بترکی**	۴ر
فیوض قاسمی ۳ر **گفتگوئے مذہبی**	۳ر
مباحثہ شاہجہانپور ۸ر **لطائف قاسمی**	۲ر
سوانح عمری حضرت مولانا محمد قاسم رح	۳ر

مذکورہ بالا اور ہر قسم کی درسی و غیر درسی کتابیں عمدہ اور بکفایت ملنے کا پتہ ہے

کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔پی)

خط سید احمد خاں صاحب سی۔ ایس۔ آئی

جناب پیر جی صاحب مخدوم مکرم سلامت۔ بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ بزرگان سہارنپور نے جو نوازش و دلسوزی میرے حال زار پر کی جسکا ذکر آپنے مجھسے فرمایا میں دل سے انکا شکر ادا کرتا ہوں اگر جناب مولوی محمد قاسم صاحب تشریف لادیں تو میری سعادت ہے میں انکی کفش برداری کو اپنا فخر سمجھونگا مگر اسوقت مرزا غالب کا ایک شعر مجھے یاد آیا ہے وہو ہذا

حضرت ناصح جو آویں دیدہ و دل فرش راہ ۔ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

جناب من میری تمام تحریریں جنکے سبب میں کافر و مرتد ٹھیرا ہوں اور وحدانیت و رسالت کی تصدیق کیساتھ کفر جمع ہوا ہے جو میرے نزدیک محالات سے ہے چار اصول پر مبنی ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان اصول کو بزرگان سہارنپور کی خدمت میں بھیجیں اگر ان میں کچھ غلطی ہے تو بلاشبہ نصیحت ناصح کارگر ہوگی ورنہ ایسا نہ ہو کہ ناصح ہی مجھ سے ہو جائیں۔ اور وہ اصول یہ ہیں۔

اوّل۔ خدائے واحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے۔

دوم۔ اُس کا کلام اور جس کو کہ اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ قرآن مجید بلاشبہ کلام الٰہی ہے کوئی حرف اُسکا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقعہ۔

چہارم۔ قرآن مجید کی جسقدر آیات کہ ہمکو بظاہر خلاف حقیقت یا خلاف واقع معلوم ہوتی ہیں دو امر سے خالی نہیں۔ یا تو اُن آیات کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوتی ہے یا جسکو ہم نے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اُسمیں غلطی کی ہے اسکے برخلاف کسی محدث یا مفسر کا قول قابل تسلیم نہیں ہے۔

پنجم۔ جسقدر کلام الٰہی جناب پیغمبر خدا صلعم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے اگر ہو تو کوئی آیت قرآن مجید کی ابطال یقین سے نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو فقط نہ ملنا کسی آیت کا اُسکی عدم وجود کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

ششم۔ کوئی انسان سوا رسول خدا صلعم کے ایسا نہیں ہے جسکا قول و فعل بلا سند قول و فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو۔ یا جسکی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو اسکے برخلاف اعتقاد رکھنا شرک فی النبوت ہے۔

مقصود یہ ہو کہ جس طرح عام انسانوں اور پیغمبر میں تفاوت ہے۔ اُسی طرح اُسکے قول و فعل میں بھی تفاوت ہو۔
ہفتم۔ دینیات میں سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں (دنیاوی امور میں مجاز) اس مقام پر سنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہیں۔
ہشتم۔ احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی و قیاسی سب ظنی ہیں
نہم۔ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہو سکتا۔ پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضروری کہ ایمان اور اُسکے وہ احکام جنپر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہ ہوں مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں۔ مگر اُس کی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں۔
دہم۔ افعال ماموره فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف انکی خواص حسن یا قبیح کے بتانیوالے ہیں جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر و نفع سے مطلع کر دے۔ اس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو۔
یازدہم۔ تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجھاکے حق میں دیکھنا گناہ ٹھیر سکیگا۔
دوازدہم۔ وہ قویٰ جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کئے ہیں اُنمیں وہ قوتیں بھی ہیں جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ ان تمام قویٰ کے استعمال پر انسان مختار ہے۔ گو ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قویٰ کو اور کس کس طور پر کام میں لاویگا۔ اُسکے علم کے برخلاف ہرگز نہ ہوگا۔ مگر اس سے انسان اُن قویٰ کے استعمال یا ترک استعمال پر جبتک کہ وہ قویٰ قابل استعمال کے ہیں اُسمیں مجبور نہیں تصور ہو سکتا۔
سیزدہم۔ دین احکام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں۔ فقط
چہاردہم۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور وہ بالکل فطرت کے مطابق۔ دوسرے وہ جنسے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہو۔ مگر اطاعت اور عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے۔
پانزدہم۔ تمام افعال و اقوال رسول خدا صلعم کے سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے۔

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت وقت کے معنے سمجھے ہیں یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بیجا تھا مگر مصلحت وقت کا لحاظ کر کے اُسکو کہدیا یا کرلیا۔ اگرچہ اُنکے سوا اور چند اصول بھی ہیں مگر آجتک جو کچھ تحریر ہوئی ہے وہ اکثر یا قریب کل کے بجز ایک آدھ مسئلہ کے انہیں اصول پر مبنی ہے پس اگر بزرگانِ سہانپور ان اصول کی غلطی سے مجھے مطلع فرماوینگے میں دل و جان سے شکر ادا کرونگا۔ والسلام۔ سید احمد

جوابُ از طرفِ جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مجموعۂ عنایات پیرجی محمد عارف صاحب۔ السلام علیکم و علیٰ من لدیکم آج بندہ درگاہ دلی سے میرٹھ واپس آیا تو مولوی محمد ہاشم صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب کا عنایت نامہ جو آیا رکھا تھا عنایت فرمایا۔ کھولا تو آپ کا خط اور جناب سید احمد خانصاحب کی ایک بڑی تحریر اندر سے نکلی شاید یہ قصہ اس گفتگو کا نتیجہ ہے جو آخر ماہ شوال میں بمقام انبہٹہ مابین احقر و جناب ہوئی تھی سید صاحب کی تحریر سے کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے میرا کچھ تذکرہ اُنسے کیا ہوگا مگر مجھ کو یاد نہیں آتا کہ آپ نے کس بات سے سمجھا ہوگا اُسوقت کی عرض معروض کا ماحصل فقط اتنا ہی تھا کہ سید صاحب کی ہاں میں ہاں ملانا ہم سے جبھی متصور ہے کہ سید صاحب اپنے اُن اقوال مشہورہ سے رجوع کریں جو اُنکی نسبت ہر کوئی گاتا پھرتا ہے اور سید صاحب اُنپر اصرار کئے جاتے ہیں اور رجوع نہیں فرماتے مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ گذارش میری طرف سے آپ کی اُس استدعا کے جواب میں تھی جو آپ نے دربارۂ شمول اہل جناب سید صاحب اس ناکام سے کی تھی۔ بہرحال آنے جانیکا کچھ مذکور نہ تھا آپ ہی فرمائیں کہ ہم سے گرفتاروں کو اتنی رہائی کہاں کہ بنارس غازیپور اڑجائیں اور ہمسے بیچاروں کو اتنی رسائی کہاں کہ سید صاحب کے در دولت تک نوبت پہنچائیں اپنا مبلغ پرواز میرٹھ حد نہایت دلی ہے تسپر نقارخانہ میں طوطی کی کون سنتا ہے کب آپ کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ صدالصدور اعظم ایک غریب مزدور کے طور پر ہوجائیں۔ اجی حضرت امیروں کے ذہن و فہم و عقل و ادراک کے ہزاروں گواہ ہوتے ہیں غریبوں کے فہم و فراست کا نہیں ایک بھی نہیں سنا۔ اس صورت میں کیونکر کہدیجئے کہ سید صاحب ایک غریب سے شہزادے کی مان جائیں ؎

کب وہ سنتے ہیں کہانی میری … اور پھر وہ بھی زبانی میری

ہمسے شکستہ حالوں کی باتوں پر موافق مصرع غالب ع میں کہونگا حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا

ایسی عالی مراتب دانشمند ہرگز توجہ نہیں فرمایا کرتے۔ باینہمہ ایسی چھیڑ چھاڑوں میں کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ادنیٰ نے بھی کسی اعلیٰ کی مانی ہو۔ اس صورت میں ایسی برعکسی کی کیا اُمید باندھئے۔ پیرجی صاحب یہ گمنام کبھی کسی سے نہیں اُلجھتا اور اب اُلجھے بھی تو کیونکر اُلجھے۔ وہ کونسی خوبی ہے جسپر کمر باندھکر لڑنے کو تیار ہو ایسی کیا ضرورت ہے کہ اپنے عمدہ مشاغل کو چھوڑکر اس نفسا نفسی میں پھنسوں۔ ہاں اسمیں کچھ شک نہیں کہ سنی سنائی سید صاحب کی اولوالعزمی اور دردمندی اہل اسلام کا معتقد ہوں اور اسوجہ سے اُنکی نسبت اظہار محبت کروں تو بجا ہے۔ مگر اتنا یا اس سے زیادہ اُنکے فساد عقائد کو سن سنکر اُنکا شاکی اور اُنکی طرف سے رنجیدہ خاطر ہوں مجھکو اُنکی کمال دانش سے یہ اُمید تھی کہ میرے اس رنج کو ثمرۂ محبت سمجھکر تہ دل سے اپنے اقوال میں مجھسے استفسار کرینگے باین خیال کہ "گاہ باشد کہ کودک ناداں غلط بر ہدف زند تیری" اس طرف کو دل لگا رہینگے۔ مگر اُنکی اس تحریر کو دیکھکر دل سرد ہو گیا۔ یہ یقین ہو گیا کہ کوئی کچھ کہو وہ اپنی وہی کہے جاینگے اُنکی انداز تحریر سے یہ بات نمایاں ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایسا سمجھتے ہیں کہ کبھی غلط نہ کہینگے۔ الغرض جی میں آتا ہے کہ قلم ہاتھ سے ڈالدیجیے مگر کیا کروں آپکا تقاضا جدا جانکو کھائے جاتا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد جدا ہی ڈراتا ہے۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ جب کچھ نہ بنی تو قلم کو روک روک کر کچھ مختصر مختصر ایکبار عرض کر دینا مناسب جانا اور جی میں یہ ٹھانا کہ ہرچہ بادا باد پھر قلم نہ اُٹھانا نہیں معلوم کہیں ہے۔ ذلیل ایجاز تو اپنے مافی الضمیر کو لکھ روانہ کرائیے۔ اگر سید صاحب نے انصاف فرمایا تو پھر بھی دیکھا جائیگا ورنہ اپنے حق میں کوئی جابر نہیں جو مجبوری کا اندیشہ ہو بہرحال بترتیب اصول مسطورہ سید صاحب یہ معروضات معروض ہیں۔

جواب اصل اوّل - اوّل واقعی خدا وا حدٌ ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے فاعل ہوں یا افعال اور افعال بھی اختیاری ہوں یا اضطراری اور یہی وجہ ہے کہ خداوند لایزال کو مالک کائنات اور کائنات کو اسکا مملوک سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اسباب انتقال ملک اگرچہ متعدد ہوں پر علت حدوث ملک فقط قبضہ ہے جو خالق میں بوجہ اتم پایا جاتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ وجود ممکنات مستعار و عرضی ہے جس کیلئے معطی اور موصوف بالذات وہی موجود برحق ہے اور ظاہر ہے کہ صفات عرضیہ عین حالت عروض میں موصوف بالذات ہی کے قبضہ میں رہتی ہیں نکل نہیں جاتیں دیکھیے بوقت تنویر ارض بھی نور آفتاب ہی کے قبضہ میں رہتا ہے نکل نہیں جاتا اس لیے تمام کائنات پر ہر قسم کے حکم احکام کا اختیار رکھتا ہے کسی دوسرے کی ملک کی ہوتی تو البتہ اُسکی اجازت جناب باری

کیلئے ایک پیمانہ تصرف ہو سکتا تھا۔ باقی رہا حسن و قبح کا جھگڑا اُس کا مبنی اگر اسی حکم پر ہے تب تو خیر ہر حکم حسن ہی ورنہ مراعات حسن و قبح دربارہ امر و نہی بوجہ مجبوری نہیں بوجہ حکمت و فضل ہے۔

جواب اصل دوم۔ دوم کلام خداوندی اور کلام نبوی صلے اللہ علیہ وسلم جیسے مخالف حقیقت اور مخالف واقع نہیں ہو سکتا ایسی ہی حقیقت اور واقعہ کے دریافت کرنیکی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے سوا اگر کوئی طریقہ دربارہ اخبار واقع و حقیقت مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے سے اسکی تغلیط کر سکیں گے پر کلام اللہ اور احادیث کی تغلیط اُس طریقہ کے بھروسہ نہیں کر سکتے اس صورت میں اگر اشارہ عقل معارض اشارہ نقل ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہیں غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو۔ محبت اور ... دلائل عقلیہ سمجھے جائیں برعکس علیٰ ہذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ و حدیث کو جو باعتبار قواعد صرف و نحو دلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کرکے دلائل عقلیہ کو اُسپر مطابق کریں اگر کھینچ کھچا کر ہی مطابق آجائے تو خیر اور نہ قصور عقل سمجھیں نہ ہو کہ اپنے خیالات و اوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ و حدیث کو کھینچ تان کر اُسپر مطابق کریں۔

جواب اصل سوم۔ اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید کا کوئی کلمہ خلاف واقع نہیں مگر اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کبریٰ کلیہ کیلئے کوئی صغریٰ جزئیہ بوسیلہ عقل دریافت کرلینا ایسے ہیچمدانوں کا تو کیا حوصلہ جناب سید صاحب اپنے مولوی مہدی علیخاں صاحب کا بھی کام نہیں یعنی بوسیلہ عقل یوں نہیں کہہ سکتے کہ ہذا حقیقۃ او واقعۃ اور کہیں تو باوقتیکہ کلام اللہ کے معنی متبادر مطابقی کے مطابق ہو تو بسر و چشم ورنہ کالائے بد بریش خاوند۔ مگر یہ یاد رہے کہ معنے مطابقی سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں ہاں اگر کوئی اور دلیل نقلی یا عقلی سے ایسی بات ثابت ہو جائے جو معنی مطابقی کے مخالف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں غرض جہاں فی زید سے زید کا فقط آنا ثابت ہوگا سوار ہو کر یا پیادہ آنے سے کچھ انکار نہیں۔

جواب اصل چہارم۔ چہارم واقعی مخالف کلام اللہ نہ کسی محدث کا قول معتبر ہے نہ کسی غیر کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جاوے گی مگر تخالف اور توافق کا سمجھنا ہم جیسوں کا کام نہیں اسلئے تین علموں کی ضرورت ہے۔ ایک تو علم یقینی معانی قرآنی۔ دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جسکو یہ منصب خدا عطا کرے اسکو بڑا نصیب اور ایسے جاہل اور نیم ملا اس بات میں

ٹانگ اڑانے لگیں تو انکا یہ دخل بیجا ایسا ہی ہوگا جیسے کسی طبیب حاذق کی بات میں کسی نادان یا کسی نیم طبیب کا
دخل سو جیسے طبیب حاذق سے بوجہ خطا و نسیان ذاتی مخالفت قوانین طب کسی خاص واقع میں ممکن ہے پر اوسپر
گرفت کرنا مریض نادان یا نیم طبیب کا کام نہیں ایسے ہی محدث اور مفسر سے مخالفہ غرض قرآنی بوجہ خطا و نسیان ممکن
ہے پر ہم سے جاہل یا ہم سے نیم ملا کا یہ منصب نہیں کہ ہم بھی اسکو دریافت کر سکیں اور درباب صحت تخالف ہمارا قول معتبر
ہوسکے ہاں البتہ یہ بات ممکن ہے کہ دو تفسیریں سُنکر بشہادت وجدان ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح سمجھ لیں
اسلئے کہ بات کا نکالنا مشکل ہے پر بتلائی پر سمجھ لینا آسان ہے، بہر حال ہر کارے و ہر مردے مخالفت کا سمجھ لینا ہر کسی کا
کام نہیں اور بعد اطلاع مخالفت جب اکابر کے اقوال قابل قبول نہ ہوئے تو ہماری تمہاری یا سید صاحب کے اقوال
اگر مخالف کلام اللہ یا حدیث ہونگے تو بدرجہ اولےٰ مقبول نہ ہونگے **جواب اصل پنجم**۔ کسی آیت کے منسوخ الحکم ہو کر دائرہ
سے خارج ہو جانا وجوب عمل قرآنی میں کچھ حارج نہیں اگر ہمکو کسی آیت معلومہ کا منسوخ التلاوۃ ہو جانا معلوم
ہو جاتا تو ہرگز تیقن احکام واجبہ میں کچھ فرق نہیں پڑتا ہاں بصورتیکہ آیت خارجہ معلوم التشخص والحکم نہ ہو تو البتہ پھر یہ احتمال
ہو کہ شاید وہ حکم ناسخ ہو اور کوئی حکم احکام موجودہ میں سے منسوخ یا برعکس کیونکہ اس صورت میں واجب اور غیر واجب کا پہچاننا احاطہ
بشر سے خارج ہو جائیگا اور درباره شناخت حق و باطل اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت پر چنداں تفوق نہ ہوگا۔
جواب اصل ششم۔ خداوند کریم بالذات مطاع ہے اور انبیا بوجہ رسالت اور علماء بوجہ تبلیغ رسالت
غرض خدا کو بمنزلہ بادشاہ اسکا افسر سمجھو اور انبیاء کو بمنزلہ وزرا یا نواب جنکی حکومت مستقل نہیں ہوتی
بلکہ عطاء بادشاہی اور مستعار ہوتی ہے جب چاہے چھین لے اور حکام ماتحت جو زیر حکم وزرا و نواب ہوا
کرتے ہیں وہ اور بھی نیچے کے درجے میں ہوتے ہیں کیونکہ وہ انہیں وزرا اور نواب کے نائب ہو کر حکمرانی
کیا کرتے ہیں بہر حال بعد خدا بالذات مطاع و حاکم کوئی نہیں ان الحکم الا للہ مگر ہاں اتنا فرق ہے کہ انبیاء کا
مطاع ہونا اگرچہ بالعرض کیوں نہ ہو بوجہ تیقن رسالت یقینی ہوتا ہے اور پھر بوجہ معصومیت احتمال دخل نفس
نہیں ہوتا فقط ایک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اور علماء و اولیاء کی اول تو اس عہدہ نیابت میں کلام یعنی
اُنکا عالم اور مستحق نیابت ہونا یقیناً معلوم نہیں ہوتا دوسرے اگر اُنکی نیابت معلوم بھی ہو جائے
یعنی یہ یقین بھی ہو جائے کہ اس مرتبہ کے عالم ہیں تو انمیں کلام رہتی ہے کہ یہ قول و فعل بوجہ ہوا و ہوس یا نسیان و
خطا تو صادر نہیں ہوا ہاں اس قسم کے خیالات البتہ ظنی ہو سکتے ہیں یعنی جیسے بوسیلہ آثار کسی کا شجاع ہونا
یا نامرد ہونا یا سخی ہونا یا بخیل ہونا یا صادق یا کاذب ہونا یا خوش اخلاق بد اخلاق ہونا یا دوست دشمن ہونا یا متقی

فاسق ہونا یا مومن کافر ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور وہ علم موافق قواعد معلومہ ظنی ہوتا ہے ایسا ہی کامل العلم یا
ناقص العلم ہونا یا تابع رضائے خدا یا تابع ہوا و ہوس ہونا بھی چھپا نہیں رہتا اور اس بات میں ویسا ہی
یقین حاصل ہو جاتا ہے جیسا امور مذکورہ میں مگر چونکہ اہل علم اسکو یقین نہیں کہتے بلکہ اس یقین عوام کا
نام انکے نزدیک ظن ہے تو احکام ظن اسپر عارض ہونگے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کم سے کم وجوب کیلئے
ظن ضرور ہے تا مرتبہ شک ایجاب حکم متصور نہیں اور جب مرتبہ شک سے ترقی حاصل ہو یعنی ظن پیدا ہو جائے
تو پھر وجوب آ دباتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی و گواہ عادل منکر اگر حکم مخالف مدعی دے تو گنہگار ہو علی ہذا القیاس
مخالفت حدیث واحد بشرط صحت موجب فسق ہے اگر درصورت ظن وجوب ہوا کرتا تو اس گنہگاری و فسق
کی کوئی وجہ نہ تھی اور ظاہر ہے کہ قاضی کو دو گواہوں سے یا سامع کو حدیث واحد سے یقین مصطلح حاصل نہیں ہو سکتا ہاں
غلبہ ظن کہئے تو بجا ہے مگر ظن اگر موجب اتباع ہے اور سرمایہ وجوب ہے تو جہاں دینیات میں دو قول مختلف ہوں
اور ایک کی طرف ظن غالب ہو تو موافق قاعدہ مذکورہ جسپر قواعد شرعیہ بھی مبنی ہیں اور عقل بھی شاہد ہے وہی جواب
عاید ہوگا ہاں اختلاف ظنون ممکن ہے ہو سکتا ہے کہ کسی کو ایجاب کی جانب ظن ہو کسی کو سلب کیجانب
کہدینا کہ کسی کا قول و فعل بلا سند قابل تسلیم نہیں از روئے بیان بالا قابل تسلیم نہیں اور کیونکہ علی الاطلاق ایسی
بات کہدیجئے نہ تو کہنے والے کو اس بات کی گنجایش کہ اگر کسی کا قول و فعل بلا سند معلوم قابل تسلیم نہیں تو
راویوں کا یہ کہنا کہ یہ روایت قول خداوندی ہے یا قول نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا
ہے اگر بوجہ صداقت ظن صحت اور حسن ظن ہے تو فقہاء اور علماء نے کیا گناہ کیا ہے انکے ساتھ بھی حسن ظن
چاہیے اگر انکے قول کیلئے ہمکو سند معلوم نہیں تو درباب وجود ماخذ قول مذکور فقہاء اور علماء ربانی روایت
حدیث سے استحقاق حسن ظن میں کم نہیں غرض فقہاء درباب اقوال مستخرجہ دو منصب رکھتے ہیں ایک تو یہی
منصب استخراج و استنباط دوسرے منصب روایت یعنی یہ کہنا کہ اس حکم کیلئے کوئی ماخذ ہے کیونکہ یہ منصب
ثانی اگر انکے لئے تجویز نہ کیا جائے تو یہ معنے ہونگے کہ یہ لوگ کذاب اور دروغگو تھے سو باوجود آثار صدق و دیانت
اگر کسی کو کذاب کہنا جائز ہے تو راویان حدیث صحیح کے کذاب کہدینے سے کون مانع ہے۔ بالجملہ فقہاء و علماء ربانیین کو درباب
ماخذ اگر راوی نہ سمجھا جاوے تو پھر دین کیلئے کوئی حجت ہی نہ ملیگی ہاں یہ بات مسلم کہ منصب اول میں گنجایش
تاویل ہے اسلئے احتمال ثانی بھی رہتا ہے جسکے باعث یہ دوسرا ظن یہاں پیدا ہو گیا ہے اور بوجہ
سو وجوب متعلق احکام مستخرجہ فقہاء مسلمین وجوب متعلق احکام منصوصہ سے رتبہ میں کم ہوگا مگر یہ کمی ایسی ہی ہوگی

جیسے نماز کی فرضیت و روزہ کی فرضیت میں تفاوت کی حیثیت ہے الغرض یہ کہنا تو غلط کہ قابل تسلیم نہیں
ہاں یہ بات مسلم کہ اُس کے انکار سے کفر عائد نہیں ہوتا پر انکار تو حدیث واحد کا بھی موجب کفر نہیں
اگر ہو تو موجب فسق ہو سو وہی فسق یہاں بھی لازم آجائیگا بہت نہیں تھوڑا ہی سہی علی ہذا القیاس
یہ کہنا کہ دوسرے کے قول کو قابل تسلیم سمجھنا شرک فی النبوۃ ہے علی الاطلاق درست نہیں یہ بات جب ہے کہ کسی
دوسرے کو قطع نظر از اتباع نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ایسا سمجھے کہ اُسکا قول و فعل بہر نہج واجب الاتباع ہو
اس قسم کا معاملہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کرے جیسا تابعان رسوم آبا بمقابلہ سنن مرسلین باوجود تحقق ثبوت
سنت و یقین بے سندی رسوم آبا کیا کرتے ہیں وہ شخص بیشک مصداق شرک فی النبوۃ ہے اگر اپنی آبا کیساتھ
اُنکو بھی عقیدہ جو انبیاء علیہم السلام کیساتھ اُنکے پیرو کو ہونی چاہیے تب وہ لوگ مشرک حقیقی اور کافر تحقیقی
ہیں ورنہ خوف تشنیع ابناء روزگار اگر فقط باعث اتباع رسوم ہے تو اس صورت میں ایک ضعیف ایمان اس
پر متصور ہے کہ انبیاء و ملت کیساتھ اعتقاد کما ینبغی نہ رکھتے ہو. بہر حال اگر قائل قول و فاعل فعل مستحق حسن
ظن ہو وہ ظن در باب کمال علم و دیانت و امانت ہے اور اس مرتبہ کے آثار اُسکے ان دونوں کمالوں پر اسی طرح
شاہد ہوں جیسے دلاوران مشہور یا اسخیاء معروف کے آثار اُنکی شجاعت و سخاوت پر شاہد تھے پھر اسپر اُنکی طرف سے
اُس قول و فعل کی نسبت صراحتہً یا اشارۃً یہ دعوی بھی ہو کہ یہ حکم خدا تعالیٰ یا سنت رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم ہے اور اس طرف در باب علم یہ منصب ہو کہ مسائل فرعیہ میں یہ پہچان سکیں کہ اس موضوع و محمول
میں باہم ارتباط ذاتی ہے یعنی موضوع محمول کے حق میں علت اور ملزوم ہے اور محمول اُسکے حق میں
معلول اور لازم ذات یا عرضی ہے یعنی ایک دوسرے کیلئے تحت عنوان لازم ذات و ملزوم ہے تو اس صورت میں
قول و فعل مذکور اس شخص کے حق میں قابل تسلیم ہے بلکہ اگر اس شخص کو اوروں کی نسبت اُس قائل و فاعل
کے ساتھ زیادہ ظن غالب ہے تو بیشک بتوافق قواعد شرعیہ واجب التسلیم ہوگا کیونکہ ہر شخص در باب دین
اپنے ظن غالب کا مکلف ہے یہ معلوم ہے لیکن اتنا اور سمجھ رکھنا چاہیے کہ یہ منصب پڑھے لکھے کو حاصل ہو جیسے پہلے
خود رائی رہی ہو جیسے اندھا بے کسی کی ہدایت کی رہروی اختیار کرے۔ عربی ترجمہ کر لینے سے فقط
یہ بات حاصل نہیں ہو جاتی اگر کوئی شخص شرحیں پڑھ لے فیما کلام اللہ و حدیث بھی ہے تو کیا ہوا اندھا
شمع کے ہاتھ میں لینے سے سوجھا نہیں ہو جاتا۔ اور نسخہ ری دواؤں کے جان لینے سے طبیب نہیں بن جاتا
باقی تفاوت واقع فیما بین انبیاء اور علماء کرام مسلم مگر یہ تفاوت قادح وجوب مذکور نہیں ورنہ وہ تفاوت

جو خدا تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام میں واقع ہے اس تفاوت سے زیادہ ہے جو پیغمبر اور اُنکے امتیوں میں
ہوتا ہے۔ سو اگر محض تفاوت موجب سقوط اعتبار ہے تو یہ بات تو دور تک پہنچتی ہے اور اگر اضافت خدا کی
یعنی یہ بات کہ اقوال انبیاء کرام در پردہ فرمودہ خدا تعالیٰ ہوتے ہیں سبب وجوب اتباع ہے تو یہاں بھی یہ
اضافت اپنا کام کریگی ہاں یہ مسلم کہ وہاں علم اضافت یقینی اور یہاں بوجہ احتمال خطا وغیرہ ظنی اسلئے
تفاوت فی الوجوب پیدا ہوگا پر شرکت فی النبوۃ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔

جواب اصل ہفتم۔ یہ بات مسلم کہ اطاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دین میں ضروری ہے لیکن اگر احکام
دین اقوال نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی نام ہو تو پھر معلوم نہیں کہ اس تفریق کے کیا معنی ہونگے کہ
درباب اتباع دین تو ہم مجبور ہیں پر درباب امور دنیاوی مجاز ہاں یوں کہیے کہ ایک امر ہوتا ہے اور ایک
مشورہ۔ امر اگر ایجاب کیلئے ہے تو اتباع واجب ہے اور استحباب کیلئے ہے تو مستحب اور مشورہ میں رسول اللہ
صلعم ہوں یا اور کوئی واجب الاتباع کوئی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اتباع مشورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
میں امر استحبابی تک نہیں لیکن ظاہر ہے کہ افعال اختیاری پر دو ثمرہ متفرع ہو سکتے ہیں منفعت و
مضرت دنیوی یا منفعت و مضرت اخروی سو بیان منافع و مضار دنیوی میں تو البتہ گنجایش مشورہ مذکور ہے پر درباب
منافع و مضار اخروی انبیاء کو مشیر سمجھنا شرکت فی النبوۃ کی بنا کو مستحکم کرنا ہے یا انبیاء کرام علیہم السلام کو
مثل عوام سمجھنا اگر بنا مشورہ دین پر ہوا کرے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو حکم ہوا وشاورہم فی الامر
اسوجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مشورہ سنت ہوگیا تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ آپ خاتم النبیین نہیں اور اگر مشورہ محض
رائے پر موقوف ہو تو یوں کہو کہ انبیاء کرام بھی مثل عوام اٹکل پچو تیر مارا کرتے ہیں بالجملہ منافع و مضار
دنیوی میں انبیاء مشیر ہو سکتے ہیں پر اسکو غرض اتنی ہے امر نہیں کہہ سکتے جو یہ تفریق بجائے خود تحسین ہو
اس صورت میں تا حصیل اس تقریر کا یہ ہوگا کہ ایجاد طریق آخرت تو انبیاء کا کام ہے اور ایجاد طریق فلاح
دنیا انکا کام نہیں پر بعض طریق فلاح دنیا معارض طرق فلاح آخرت ہوتی ہیں اور بعض موافق اور بعض
ناموافق بعضے ہیں نہ معارض سو جو طرق معارض ہونگے جیسے چوری قزاقی غصب زنا وغیرہ تو بوجہ مخالفت ممنوع
ہوتے ہیں اور جو طرق موافق ہوتے ہیں جیسے قرآن خوانی یا وعظ گوئی پر لینا یا اسوجہ ممنوع ہو جاتے ہیں کہ غلام
سرکاری ہوکر کار سرکاری پر اجرت لیتے ہیں اور جو طرق نہ موافق ہیں نہ معارض انکے ذریعہ فلاح دنیا اگر قرار دیں تو
بیجا۔ ان طرق میں حکم شریعہ ملحوظ رہیگا کہ طرق فلاح آخرت کی **معارض نہ ہوں** چنانچہ بیع و شرا و اجارہ و ہبہ و بطلان

سب اسی پر مبنی ہے سو اس قسم کی ایجاد یا اسکی ترقی و تنزل میں انبیا اگر دخل دیتے ہیں تو بطور مشورہ بتقاضائے
خیر خواہی دخل دیتے ہیں خدا کی طرف سے اس مشورہ کی تسلیم میں ہرگز کچھ خواستگاری نہیں اور مقدمہ تابیر نخل میں
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتم اعلم بامور دنیاکم فرمانا اسی وجہ سے تھا کہ آپ اس فن کے امام نہ تھے خدا کی
طرف سے اس مقدمہ میں پیغمبر نہ تھے بہرحال امور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جن امور میں واجب الاتباع یا مستحب الاتباع
ہونگے ہاں مشورہ نہ واجب الاتباع ہے نہ مستحب الاتباع البتہ مقتضائے حسن ادب ہے کہ آپکے مشورہ کو بھی دوسروں کے
مشورہ پر مقدم جانئے کہ اول تو مشورہ میں لحاظ کمال عقل ہی پر ہوتا ہے فقط تجربہ کاری پر نہیں ہوتا سو اس کمال
میں ظاہر ہے کہ انبیا کیسے کامل ہوتے ہیں دوسرے اتباع کسی مقدمہ میں کیوں نہ ہو موجب خوشنودی خاطر متبوع
ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ خوشنودی خاطر انبیاء کرام کیا کچھ مثمر برکات ہو سکتی ہے کم سے کم ایک دعا ہی سہی
اسوجہ خارجی و عارضی کے باعث ایسے مواقع میں بھی استحباب عرضی آجاتا ہے۔

جواب اصل ششم ۔ احکام منصوصہ کے یقینی اور اجتہادی کے ظنی ہونے میں کسے کلام ہو سکتی ہے اگر ہوگی تو اس
امر میں ہوگی کہ کونسا منصوص ہے کونسا نہیں اور کونسا اجتہادی ہے کون نہیں اور یہ میں اسواسطے عرض
کرتا ہوں کہ بسا اوقات اکثر آدمی بوجہ قلت تفکر بعض امور کو منصوص سمجھ جاتے ہیں حالانکہ وہ منصوص نہیں
ہوتی اور تو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں سمجھ گئے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جنکی شان میں خداوند کریم
آتیناہ رحمۃ من عندنا و علمناہ من لدنا علما فرماتے ہیں کشتی مساکین کو ظلما توڑ ڈالا اور طفل
نابالغ کو بیگناہ قتل کر ڈالا یہ کلام اللہ میں موجود ہے آیات آخر کوع یعنی اما السفینۃ سے لیکر آخر کوع
تک سے قطع نظر کیجئے تو ابنائے روزگار سے پوچھ دیکھئے یہی کہینگے کہ حضرت خضر کا قاتل طفل بیگناہ اور خارق سفینہ
ظلما ہونا منصوص ہے غرض اکثر یہ ہوتا ہے کہ معنی حقیقی موضوع سے زیادہ بوجہ خیالات طبعزاد جو الفت و
عادت پر مبنی ہوتے ہیں اور معانی زائد لگا لیتے ہیں اور خود انکو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ ایجاد اپنی طبع کا ہے
ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نہیں اکثر ابنائے روزگار بلکہ کل اسی قسم کے نظر آتے ہیں آخر یہ کسی کے کلام
اُسکے مبلغ فہم پر دلالت کر دیتی ہے مگر آجکل اکثر عالم کہ بوجہ انصاف وہ عالم نہیں نیم ملا ہیں اپنے
آپکو عالم فن دین کچھ ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے بندریے نیل کے ماٹ میں گر کر اپنے آپکو طاؤس سمجھ
لیا تھا انصاف کی بات جسکو اہل فہم خواہ مخواہ مان جائینگے یہ ہے کہ علم کے تین مرتبہ ہیں ایک وہ جسکی
طرف جملہ یتلوا علیہم آیاتہ دلالت کرتا ہے اسکا حسن تو فقط اتنا ہے کہ عربی میں باندانی حاصل ہوجائے دوسرا وہ مرتبہ

جسکی طرف یعلمہم الکتاب مشیر ہے اس مرتبہ کی حقیقت یہ ہے کہ مجملات کلام اللہ کو شخص سمجھ لیا جائے
تفصیل اس اجمال کی بقدر مناسب یہ ہے کہ مفہومات کلیہ کیلئے ہزارہا تشخص محتمل ہوتی ہیں مثلاً انسان
ایک مفہوم کلی ہے اور زید عمرو بکر کی خصوصیات زائدہ اسکی تشخصات سو کلام اللہ میں اگر کوئی مفہوم کلی مصرح
مذکور ہو اور اُسکا تشخص وتعین مصرح تو مذکور نہ ہو پر سباق وسیاق ولواحق وتوابع کے دیکھنے سے بشرط رسائی
فہم معلوم ہو سکتا ہو تو جو شخص اس بات کو بتلائے وہ معلم کتاب کہلائیگا الذین امنوا ولم یلبسوا
ایمانہم بظلم میں لفظ ظلم ایک مفہوم کلی پر دلالت کرتا ہے جسکے لیے صغیرہ اور کبیرہ اور شرک عبادت
افراد میں مصرح اگر موجود ہے تو وہی مفہوم کلی موجود ہے اور تعیین شرک مصرح موجود نہیں ہاں لفظ لبس و سیلان
الشرک لظلم عظیم اسکی جانب مشیر ہے علیٰ ہذا القیاس آیت وضو میں جر ارجل کی قرأت کی صورت میں مسح ارجل
تو عطف علی الرؤس کے صورت میں مصرح ہے اور اسکی ساتھ غسل قدم کا کچھ ذکر نہیں پر غسل بھی اُسی ایک
افراد میں سے ہے کیونکہ ہاتھ کا پھیرنا سوکھا ہو جب مسح ہے اور تر ہو جب مسح ہے غسل کیا تھا ہو جب مسح
اور بقطر رطوبت قائمہ بالید کی ساتھ ہو جب مسح ہے غرض ایک مضمون کلی ہے جسکے افراد کثیرہ اور تشخصات
متعددہ متصور ہیں جن میں سے تصریح ایک کی بھی نہیں فقط ہی تو اُس مضمون کلی ہی کی تصریح ہے ہاں قید
الی الکعبین کو دیکھئے تو باعانت باستعانت فہم رسا ہو تو غسل ہی لازم آجاتا ہے علیٰ ہذا القیاس باعانت بار
استعانت بموضوع لہ راس کو بتدبیر لحاظ کیجئے تو تعلق رابع راس نکل آتا ہے ہاں راس کو کرہ حقیقی اور یانی
کو سطح مستوی یا کرہ حقیقی رکھئے تو پھر مسح بال دو بال ہی کا مسح فقط ثابت ہوگا بہرحال لفظ ظلم سے تمام گناہوں کو
مصرح سمجھ لینا اور لفظ راس سے تمام راس کو مصرح سمجھ لینا اور منصوص خیال کر لینا ایک سینہ زوری ہے اور کچھ نہیں
تیسرا مرتبہ علم میں وہ ہے جو جملہ یعلمہم الکتاب والحکمۃ سے لفظ حکمت کے دیکھنے سے سمجھ میں آتا ہے تحقیق اس مرتبہ کی
یہ ہے کہ ہر حکم کیلئے ایک علت ہے اور ہر وصف کیلئے ایک موصوف حقیقی ہوتا ہے مثلاً مطاع ہونیکے لئے کمال وجمال و
بالکیہ نفع وضرر علت حقیقی اور موصوف حقیقی اور محکوم علیہ حقیقی ہے اور وہ اُسکے لئے معلول حقیقی اور وصف حقیقی
اور محکوم حقیقی اور نسبت فی مابین نسبت حقیقی علی ہذا القیاس ایک موصوف عرضی ہوتا ہے جیسے وصف سلطنت
بخلافت اور اولوالامر مطاعیت کیلئے موصوف عرضی اور علت عرضی اور محکوم علیہ عرضی ہے اور نسبت فیما بین
نسبت عرضی اور مجازی ہے یا یوں کہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہونی اور آپکے
ازواج سے نکاح کی حرمت کی علت اور اُمہات کے ساتھ آپکی حیات جسمانی ہے جو آپ کی موت عرضی سے کے دیگران مثل حس

حرکت ایسی طرح معذور ہوگئی ہے جیسے چراغ روشن کسی ہنڈیا میں بند ہو کر مکان میں افادۂ نور سے معطل ہو جاتا ہے
یہ نہیں کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح کا قبض و تصرف تھا موت کے آنے سے ایسی طرح زائل ہو جاتی
ہے جیسے سایہ کے آنے سے دھوپ آپ کی حیات بھی موت کے آنے سے زائل ہو جاتی ہے۔ باقی یہ جو
السلام علیکم یا اہل القبور سے ایک نوع کے تعلق روح و جسد کا پتہ لگتا ہے جس سے اشتباہ حیات پیدا ہوتا
ہے تو اسکو اول تو ایسا سمجھئے جیسا بوسیلہ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس میں آ جاتی ایسی
ہی یہاں بھی سمجھئے دوسرے اگر کچھ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلا وطن کو اپنے وطن اصلی کیساتھ تو گو اتنا حق
ہو جب اطلاع بعض احوال متعلقہ جسد ایسی طرح ہو جاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ۔ بسا اوقات بہ نسبت اوروں کے
احوال متعلقہ وطن متروک کے زیادہ اطلاع کا باعث ہو جایا کرتا ہے پر اتنی بات سے قبض و تصرف نہیں نکلتا جو اشتباہ حیات ہو
علی ہذا القیاس یہ نہیں کہ مثل شہداء ایک بدن سے تعلق چھوٹ کر دوسرے بدن سے تعلق پیدا ہو گیا ہو جس کے بھروسے
یوں کہا جاوے جبکہ بدن اول سے تعلق ہی نہ رہا تو اسکے متعلقات یعنی ازواج و اموال سے کیا تعلق رہیگا جو
مانع میراث اور انقطاع نکاح ہو اسی طرح اور بہت سی نظیریں ہیں جنکو بے کہے اہل دانش سمجھ جائینگے
غرض موصوف حقیقی اور علت حقیقی کو دینیات میں علت مجازی اور موصوف مجازی سے پہچان لینا وہ حکمت ہے جس
کیطرف آیت مذکور میں اشارہ ہے اور جسکی تعریف میں یہ ارشاد ہوا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا
کثیرا سو مرتبہ حکمت پر اجتہاد کی اجازت ہے بشرطیکہ قرآن و حدیث پر بخوبی نظر ہو اور ناسخ و منسوخ و ضعیف
و قوی کو پہچانتا ہو اور مرتبہ علم کتاب میں اگرچہ اجازت اجتہاد و استنباط احکام غیر منصوصہ نہیں ہو سکتی پر فقط
احکام منصوصہ اور مضامین مندرجہ قرآنی میں خود رائی اور خود بینی کی اجازت ہے چنانچہ بدیہی ہے بعد اسکے اگر
حکیم امت یا عالم کتاب سے کوئی خطا ہو جاتی تو وہ ایسی سمجھی جاتی جیسے اسپ تیز گام باوجود سلامت اعضا [illegible]
غفلت میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اس ٹھوکر کھا کر گر پڑنے کو اسپ لاغر و لنگ کے گرنے پر قیاس کر کے جیسے سواری
موقوف نہیں کر دیتے ایسے ہی حکیم امت و عالم کتاب کو بوجہ غلطی جو بمقتضائے بشری بوجہ غفلت ہو جاتی ہے
خود رائی اور اجتہاد سے روک دینا ناسزا ہے یہ انکی غلطی اس امر میں مثل غلطی عوام نہ سمجھی جاویگی۔ باقی رہا درجہ تزکیہ
جو جملہ یتلوا علیہم آیاتہ سے مستفاد ہے بادی النظر میں اگرچہ از قسم علوم ہے پر حقیقت میں مرتبہ ان علماء ربانی کا
مرتبہ نہیں جنکی پیروی ضرور ہو اگر یوں نہ ہو تو جملہ یعلمہم الکتاب بیکار تھا بالجملہ فقط علوم کہئے تو بجائے بہر حال انکو
ذی مرتبہ کا اتباع ضرور ہے عالم بن بیٹھنا اور لوگوں کی پیشوائی جائز نہیں آپ بھی گمراہ ہونگے اوروں کو بھی گمراہ کرینگے بہ پیشوائے

زقہائے باطلہ سب اسی مرتبہ کے لوگ تھے جنھوں نے بوجہ اولوالعزمی اپنی فہم کے موافق اندھوں سے اپنا کام لیا۔

جواب اصل نہم۔ انسان کا خارج از طاقت انسانی مکلف ہو سکنا اور بے ہو نہ ہونا اور نہ اسمیں کچھ کلام نہیں کہ
انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں مگر اسکے ساتھ یہ بیچ پر غضب ہے کہ ایمان اور احکام موجب نجات
عقل انسانی سے خارج نہ ہوں۔ پھر جب غور کا مقام ہے تکلیف مالایطاق کے نہ ہونیکی علت فقط یہ ہے کہ
تکلیف سے غرض اعمال مکلف بہا ہوتے ہیں تحصیل خود مقصود بالذات نہیں ہوتی جو یوں کہا جائے کہ خدا اپنی
بات اور اپنے کام کر چکے بلا سے بندوں سے اُسکی تحصیل ہو کہ نہو سو اتنی بات اگر ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قطع نظر
عمل سے ایسی تکلیف ممکن تو تھی ہی اگر خدا نے اب حکم بھیجدیا بھی تو کیا برا ہو بلکہ مقصود بالذات عمل ہوتا ہے
مگر ظاہر ہے کہ عمل اگر محتاج ہے تو قوت عاملہ کا محتاج ہے قوت عاقلہ کا محتاج نہیں جو اُسکی سر و مصلحت سے
آگاہ نہونا مانع تکلیف ہو سکے البتہ علم عمل اتنا ضرور ہے کہ کیونکر کیجیے بمعنی خارج از عقل ہونیکی اگر یہ معنی
ہیں کہ عامل کی عقل میں اُسکے اسرار اور مصالح اور منافع اور علل نہ آئیں تو یہ تو سراسر غلط ہیں اور اگر یہ معنی
ہیں کہ عقل اُسکے مخالف تجویز کرتی ہے تو اگرچہ اسکے امکان میں کلام نہیں ہو سکتی خاصکر ان لوگوں کی مشرب کیموافق
جو علت حسن و قبح امر و نہی کے سوا اور کسی صفت ذاتی احکام کو کہتے ہیں لیکن واقع میں خدا کی طرف سے ایسا ہوتا
نہیں پر اتنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس امر میں تمہاری ہماری عقلوں کا اعتبار نہیں معقول جو بفحوائے
فی قلوبہم مرض امراض روحانی کے باعث ایسی طرح فاسد ہو گئی ہوں جیسے قوت ذائقہ یرقانی ہرگز قابل
اعتبار نہیں اُسکے ادراک کیلئے اُنکی عقل چاہیے جنکے دل بفحوائے الا من اتی اللہ بقلب سلیم امراض روحانی
سے اسی طرح عافیت میں ہیں جیسے مرض جسمانی یرقان وغیرہ سے بحالت صحت ہوتی ہیں اور زبانیں بچی ہوئی ہوتی ہیں

جواب اصل دہم۔ افعال ماموربہ کے فی نفسہ حسن ہونیکے معنی اور افعال ممنوعہ کے فی نفسہ قبیح ہونیکے
معنی موافق معنی متبادر الفاظ فی نفسہ اگر یہ ہیں کہ حسن و قبح اُن کا ذاتی ہو تو یہ تو غلط صلوٰۃ وقت
طلوع و غروب اور صوم عیدین اور صیام ایام تشریق بالیقین فی حد ذاتہ حسن ہے پر بوجہ اقتران وقت
معلوم قبح عارض ہو گیا ہے علی ہذا القیاس قتل بنی آدم اور خدعہ فی الحرب جس قسم سے معتقدان قرآن و
حدیث کو چارہ نہیں فی حد ذاتہ قبیح ہے پر بوجہ اقتران و انضمام اسبابِ کثیرہ حسن عارض ہو جاتا ہے اور اگر
یہ مطلب ہے کہ افعال ماموربہ میں کچھ نہ کچھ حسن اور افعال ممنوعہ میں کچھ نہ کچھ قبح ہو کسی قسم کا ہی تو مسلم
اسی صورت میں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ہر قسم کے ماموربہ میں ایک چیز حسن لذاتہ ہے جسکے سبب سے اور امور قابلہ حسن ہو جاتے ہیں

علیٰ ہذا القیاس انواع ممنوعات میں ایک چیز قبیح لذاتہ ہوگی جسکے اقتران سے اور افعال قبیح بالعرض ہوجاتی ہیں پھر اس صورت میں اس بات کی گنجایش نکلیگی کہ بعد زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی چیز میں بوجہ اقتران مذکور حسن یا قبح عارض ہوجائے تو وہ بھی منجملہ ماموراتِ یا منہیات ہوجائیگی یہ جُبدی بات رہی کہ مامور ہوگی تو کس درجہ کے اور ممنوع ہوگی تو کس درجہ کی مثال کی ضرورت ہو تو جمع قرآن اور تدوین کتب اور تنقیح حال رواۃ و مراتب احادیث تو از قسم مامورات زمانہ آخر ہیں اور منہیات میں عورتوں کا مساجد میں آنا جانا علیٰ ہذا القیاس توپ بندوق کے استعمال اور اشتغال صوفیہ کے اشتغال کو سمجھئے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک فعل بوجہ اقتران مذکور کسی ملک یا ولایت میں مامور بہ یا منہی عنہ ہوجائے اور دوسرے میں نہ ہوا ہو تو بدرجہ کمتر ہو بعد ازیں یہ جواز شاد ہو کہ انبیاء علیہم السلام حسن و قبح کے بتانیوالے ہیں اگر انکے یہ معنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بمنزلہ اطباء مبین ہیں آمر و جابر و حاکم نہیں تب تو غلط ورنہ جزا و سزا دنیوی کے پھر کیا معنی ہیں یعنی افعال حسنہ یا قبیحہ کو اگر جزاء و سزا دنیوی ایسی لازم ہوتی جیسے لوازم ذات اپنے ملزومات کو تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ خود بخود یہ قصہ ہو رہیگا اور اگر یہ معنی ہیں کہ مبین بھی ہیں اور آمر و جابر بھی ہیں تو مسلم پر اس صورت میں امور منصوصہ کا حسن و قبیح سمجھنا تو سب کو لازم ہوگا پر غیر منصوص کو بوجہ اقتران مذکور ہر کس و ناکس حسن و قبیح کہنے کا یا سمجھنے کا مجاز نہوگا اس کیلئے اتنی عقل و فہم کی ضرورت ہوگی جتنی مرتبہ حکمت کیلئے ضرورت ہے کیونکہ عروض و اقتران اور کیفیت و کمیت امور مقترنہ کو وہی شخص جان سکتا ہے جو نسبت حکمیہ حقیقیہ کو نسبت حکمیہ غیر حقیقیہ سے تمیز کرے

جواب اصل یازدہم ۔ یوں کہئے کہ تمام احکام اسلام فطرۃ کے موافق ہیں البتہ وہ احکام جو حسن لذاتہ یا قبیح لذاتہ ہیں اُنکی خوبی اور بُرائی طبعی ہے پر وہ احکام جنمیں حسن و قبح عرضی ہوتا ہے بذات خود ہر وقت مرغوب اور غیر مرغوب نہیں ہوتے تا وقت عروض بالطبع یعنی بالفطرۃ تو نہیں البتہ بالعرض مرغوب و غیر مرغوب ہوجاتے ہیں بعد زوال عروض وہ رغبت بالضرورۃ بدلجاتی ہے اگر بوجہ شدت گرسنگی یا تشنگی جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو اغذیہ یا اشربہ محرمہ کا کھالینا یا پی لینا حسن یا مباح ہوجاتا ہے تو تا دم مخمصہ ہی یہ بات رہتی ہے اُسکو اقتضائے طبعی اور فطری نہیں کہہ سکتے مگر ہاں یوں کہئے کہ تا دم عروض ہی فطری کہنا مراد ہے پھر با ینہمہ میری اور تمہاری فطرۃ کا ذکر نہیں کیونکہ اول تو یہاں فطرۃ ہی مفقود فطرۃ اُس حالت کو کہنا چاہئے جو روح کیلئے بمنزلہ صحت جسمانی ہو جو جسم کیلئے قبل عروض مرض ہوتی ہے اور بعد عروض مرض مفقود ہوجاتی ہے اور اگر صحت جسمانی امراض جسمانی کی اوٹ میں آجاتی ہے مستور ہوجاتی ہے مفقود نہیں ہوتی تب کیا ہوا اس صورت میں اگر فطرۃ بھی اسی طرح

مستور ہوتی تو کیا ہوگا۔ ہوانہ ہوا جب بار بار دیکھو اسکو لیکر کیا جائے یہی وجہ ہو کہ کفار و فجار کو ایمان و
تقویٰ ہمیشہ برا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال موافق ادراک اسرار حسنات و سیئات طاعات
میں لذت اور معصیت میں تکلف ہونے لگے تو البتہ ایسے اہل قلوب کو ارباب فطرت کہہ سکتے
ہیں تسپر بھی سوائے نبی کسی کا قلب دربارہ صحت و سقم قرآن و حدیث کسوٹی نہیں ہو سکتا۔ ہاں قرآن
و حدیث صحیحہ البتہ کسی کے وجدان کے کھرے کھوٹے بتانے کیلئے کسوٹی اور معیار ہیں اگر وجدان
اہل وجدان اُسپر مطابق آجائیں تو ایسے لوگ صحیح الوجدان ہیں ورنہ یہ عدم تطابق دلیل
فساد فطرة وجدان سمجھا جائیگا۔ قرآن و حدیث اُس عدم مطابق کے باعث غلط نہ سمجھا جائیگا۔
کیونکہ قلوب سلیم کو مثل اجسام صحیحہ ہردم مرض کا اندیشہ لگا ہوا ہے پر قرآن و حدیث صحیح کو ہو دصحت و
سقم باین طور نہیں کہہ سکتے کہ کبھی یہ صحیح ہوجاتے ہیں کبھی غلط جو روایت صحیح ہے وہ ہمیشہ صحیح رہتی
ہے جو غلط ہے ہمیشہ غلط سو ظاہر ہے کہ قرآن شریف و حدیث متواترہ میں تو یہ احتمال غلط ممکن ہے
نہیں۔ رہی احادیث صحیحہ غیر متواترہ ہر چند احتمال غلطی اور مخالفت واقع اُنمیں ممکن ہے کیونکہ اُنکی
صحت حسب اصطلاح محدثین بمعنی مطابقت واقع نہیں لیکن یہ ایسا ہی سمجھنا چاہیئے جیسا مرد صادق
القول سے بوجہ غلط فہمی کسی بات میں غلط کہدینا سو جیسا یہ شاذ و نادر ہے مثل عروض امراض خصوصاً
امراض روحانی کثیر الوقوع اور غیر الزوال نہیں جو دربارہ اعتبار معاملہ برعکس ہوجائے یا احتمال
مساوات ہو بہرحال یہ قول کہ اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں دیکھنا اور سوجاکے حق میں دیکھنا گناہ
ٹھہر سکیگا اگرچہ اس جگہ بے موقع ہے کیونکہ استطاعت بصارت اور عدم استطاعۃ بصارت میں
فطرة ہے۔ نہ مطابق فطرة علی العموم ہرگز صحیح نہیں۔ ہاں تاویل مذکور کیساتھ کہے تو بجا ہے۔

جواب اصل دوازدہم۔ انسان کو ایک اختیار اُدھر سے مستقل عطا ہوا ہی پر وہ اختیار انسانی
اختیار خداوندی کیساتھ وہ رابطہ رکھتا ہے جو قلم ہمارے تمہارے ہاتھ کیساتھ یا پچھلے کل کسی اگلے کل کیساتھ
اگر یہ نہو تو اختیار انسانی کو عطائے خداوندی کہنا غلط ہوجائیگا اور ارادہ انسانی مخلوق خدا نہ رہیگا کیونکہ ہر
بالغرض کیلئے ایک موصوف بالذات چاہیئے ورنہ پانی کی گرمی اور زمین کی دھوپ کو آگ اور آفتاب کی حاجت
نہ ہوتی مگر جیسا ہر بالعرض کیلئے بالذات کی ضرورت ہے ایسے ہی اُن دونوں میں تجانس بھی ضرور ہے جس
نوع و جنس کی وہ شے عرضی ہوگی اسی نوع و جنس کا وصف ذاتی ہونا چاہیئے زمین کا نور آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے

آفتاب کی حرارت پانی کی رطوبت پیدا نہیں ہوتا اس صورت میں ضرور ہے کہ ارادہ انسانی ارادہ خداوندی
کا پر تو ہو مگر جیسی حرکت دھوپ یعنی دھوپ حرکت آفتاب و حرکت شعاع و نور آفتاب پر موقوف ہے
بالاستقلال نہیں ایسی ہی حرکت ارادہ انسانی حرکت ارادہ خداوندی پر موقوف ہوگی چنانچہ خداوند کریم
خود ہی فرماتے ہیں وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ سو اگر مجبور ہونے سے مراد یہ توقف ہے اور بایں معنی
انکار جبر ہے تب تو بلاشبہ یہ انکار غلط اور لغزش عظیم ہے جسکا تدارک بجز توبہ متصور نہیں اور اگر یہ مطلب ہے
کہ بندہ صاحب اختیار ہی نہیں یہ اختیار ہی نہیں یا بلکہ مثل چوب سنگ جو بظاہر ذوی العقول میں سے نہیں اور ارادہ سے
بے بہرہ نظر آتی ہیں یہ بھی بے بہرہ ہے تو یہ بات بدیہی ہے مگر بدلالت سیاق اور شہادت عبارت سابقہ اس استثنا سے
جو یہاں سے دیگر ہے انسان اُن قویٰ کے استعمال الخ شروع ہوا ہے یعنی بکالنو بظاہر دشوار ہے اور اگر یہ
غرض ہے کہ انسان کو ارادہ بھی ملا اور پھر وہ ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کیساتھ وہی ارتباط بھی رکھتا ہے
جو میں نے عرض کیا مگر با ایں ہمہ مثل احجار و اشجار مجبور نہیں جو اسکی طرف بجز انفعال عمل کو انتساب ہی نہ ہو سکی
تو یہ مسلم مگر اس صورت میں انکار جواز تکالیف یا خیال عدم جواز ثواب و عقاب جیسا بظاہر متوہم ہو سکتا
ہے بالکل خیال خام ہوگا کیونکہ اس صورت میں تکلیف تو مثل صیقل آئینہ و غیر آئینہ سمجھی جائیگی
جو بعد دعوی قابل العکس ہونے آئینہ اور غیر قابل العکس ہونے سنگ و چوب کے مخالفان دعوے کے
لئے مسکت ہو سکتا ہے سو جیسے سنار یا صراف کامل کا کھوٹے کھرے کو کسوٹی پر لگا کر بتلا دینا
گاہک یا صاحب متاع کے دکھلانے اور ساکت کرنے کیلئے ہوتا ہے اپنے اطمینان کیلئے
نہیں ہوتا ایسے ہی خدا کی طرف سے تکلیف کو بیان فرق مراتب انفعال کیلئے سمجھئے اور امتحانات
لدلکہ انکو حسن عمل وغیرہ از قسم اتمام حجت سمجھئے نہ از قسم استخبار و استفسار اور ثواب و
عقاب کو ایسا سمجھئے جب آئینہ کو نظارہ کیلئے پیش نظر رکھیں اور پتھر یا چوب کو سامنے سے ہٹا دیویں
سو جیسے اس رکھنے اور ہٹانے میں ایک کی اعزاز اور دوسرے کی تحقیر نکلتی ہے ایسے ہی اس ثواب و عقاب
[illegible] دونوں کو بیان فرق مراتب ظہور فعل کیلئے سمجھئے یعنی جیسے آئینہ سے بوجہ انعکاس نور آفتاب جو
بعد قبول ظہور ہے [illegible] ہے اور بعد انفعال [illegible] کھلاتا ہے ایک [illegible] نور مذکور ادھر سے ادھر کو ہوتا ہے
جس سے انتساب علیت درست سمجھا جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی قبول ارادہ کے بعد ایک انعکاس ارادہ بھی ہوتا
[illegible] اور وہ ارادہ منعکس مرادات بشری پر اسطرح واقع ہوتا ہے جیسے نور منعکس از آئینہ در و دیوار پر واقع

ہوتا ہے سو یہ اعزاز مذکور اسی فاعلیت کا نتیجہ ہے۔

جواب اصل سیزدہم - یوں کہنا چاہئے کہ دین اُن احکام کا نام تو یقینی ہی جو یقینی ہیں اور اُن احکام کا نام ظنی ہی جو ظنی ہیں یعنی احکام یقینیہ کو یقیناً دین سمجھنا چاہئے اور احکام ظنی کو ظناً کہنا چاہئے بہرحال اطلاق دین دونوں پر چاہئے پر فرق مراتب علم کیلئے یقین و ظن کی قید کا اضافہ ضروری ہے

جواب اصل چہاردہم - اس اصل کے موافق احکام کی دو قسم کر کے قسم اول کی پھر دو قسمیں کرنی چاہئیں ایک امر و نہی حسن یا قبیح لذاتہ دوسرے امر و نہی حسن و قبیح لغیرہ سو جو امر و نہی متعلق بحسن و قبیح لذاتہ ہیں وہ تو بیشک موافق فطرت ہیں نہیں تو نہیں مگر ایسی تاویل کیجئے کہ قسم ثانی بھی فطرۃ کے مطابق ہیں بالذات نہیں بالعرض ہی سہی لیکن اس صورت میں جیسے قسم اول کی تقسیم بیکار ہے خود تقسیم اول اُس سے زیادہ بیکار ہے اور اس سے زیادہ بیہودہ اور لغو کیونکہ وہاں فرق بالذات و بالعرض کے دریافت کرنے کے لئے کچھ ضرورت تقسیم بھی تھی اور یہاں تقسیم اول کی اس صورت میں کچھ ضرورت ہی نہیں۔ خیر ہرچہ باداباد۔ اب آگے دیکھنا چاہئے یہ جو ارشاد ہے کہ اطاعت و عمل میں دونوں برابر ہیں اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ مراتب حسن و قبول میں سب برابر ہیں تب تو غلط ہے ابھی معلوم ہو چکا کہ خود حسن و قبح میں کمی بیشی ہی ظاہر ہے کہ موصوف بالذات ہمیشہ موصوف بالعرض سے اکمل ہوا کرتا ہے آفتاب کی نورانیت میں آئینہ اور در و دیوار سے زیادہ ہے اور یہ بھی ہے کہ بقدر مراتب حسن و قبح سے مراتب امر و نہی متفاوت ہونے چاہئیں یعنی یہ فرق فرضیت و وجوب و سنیت و استحباب و حرمت و کراہت تحریمی و اباحت اُس فرق مراتب حسن و قبح ہی پر متفرع ہونی چاہئیں۔ اس لئے کہ حاکم وہ ایک اللہ تعالیٰ محکوم یہ ایک بندہ۔ عبارت حکم وہ ایک صیغہ امر و نہی پھر اگر فرق مذکور بھی نہ ہو تو یہ فرق مراتب کہاں سے آئے اور یوں کہیں ایک وہ جا اگر فرق عبارت سے اس فرق کو ثابت بھی کیجئے تو اور باقی فرقہائے معلومہ کی کیا سبیل ہوگی بایں ہمہ عبارت در بارہ مطلب مفہوم مخبر اور مظہر ہوتی ہے علت نہیں ہوتی اور علت کی ضرورت ہر حادث کیلئے ضرور ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اطاعت سب کی چاہئے اگر خدا کے یہاں کسی مرتبہ میں واقع ہوں تو البتہ ایک ٹھکانے کی بات ہے مگر اسکے یہ معنی ہونگے کہ مراتب وجوب و استحباب وغیرہ میں اگرچہ دونوں قسموں میں فرق ہو پر صورت ادا دونوں جا ایک ہی ہے جس طرح سے مثلاً چار فرض ادا کئے جاتے ہیں اسی طرح سے چار سنت جس طرح تین فرض ادا

کئے جاتے ہیں اُسی طرح تین وتر جتنی دیر اسمیں لگتی ہے اُتنی ہی اُسمیں لیکن اس صورت میں اس بات کی تحقیق ضرور ہے کہ احکام اصلی کی کیا نشانی ہے اور احکام حفاظت کا کیا پتہ ہے سو ہم سے اگر پوچھئے تو اس کی تحقیق بقدر مناسب مقام یہ ہے کہ طاعات و ذنوب میں انواع متعددہ ہیں پھر ہر نوع میں ایک امر مقصود بالذات ہے باقی مقصود بالعرض طاعات میں مثلاً ابواب صلوٰۃ کے اوامر ایک جدی نوع اور ابواب زکوٰۃ کے اوامر ایک جدی نوع ابواب حج کی جدی پھر نوع اوامر متعلقہ صلوٰۃ میں صلوٰۃ مامور بہ بالذات ہے اور طہارت و جماعت و مراعات صف اول و تکبیر اولیٰ و قرب امام و انتظار جماعت و رباط مسجد و وضو قبل از وقت وغیرہ مامور بہ بالعرض جنمیں سے مراعات صف اول وغیرہ تو بالعرض کے بھی بالعرض ہیں اسلئے کہ مقصود اعظم ان امور کے نگاہداشت جماعت مسجد ہے اور وجہ اس تفریع کی ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ جماعت میں قطع نظر نماز سے کچھ ثواب نہیں ورنہ پریڈ قواعد کے وقت ایک صف باندھکر کھڑا ہونا بھی منجملہ طاعات سمجھا جاتا علیٰ ہذا القیاس اور امور کو سمجھ لیجئے اور طہارت اگر بذات خود بھی مطلوب ہو تو یہ طلب جواذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الخ سے ثابت ہو لاجرم بوجہ صلوٰۃ ہے بذات خود طہارت یہاں مطلوب نہیں ادھر ذنوب میں دیکھئے نہی ابواب زنا جدی نوع ہے اور نہی شرابخوری جدی نوع اور نہی سودخواری جدی نوع علیٰ ہذا القیاس پھر نوع زنا میں خود زنا بالذات منہی عنہ ہے اسلئے اپنے بیگانے سب سے زنا ممنوع ہے اور بوس و کنار و خلوت وغیرہ منہی عنہ بالعرض یعنی بوجہ شہوت و اندیشہ زنا ممنوع ہیں بذات خود ممنوع نہیں ورنہ یہ معاملات مثل زنا اپنی ماں بہن بیٹی وغیرہ سے ہرگز جائز نہ ہوتی بلکہ اُلٹی یہاں اور جا کی نسبت زیادہ ممانعت ہوتی سو مامور بہ اور منہی عنہ بالذات کا نام تو ہم مقاصد رکھتے ہیں اور مامور بہ بالعرض کا نام ہم وسائل و ذرائع اور دواعی رکھکر یہ گذارش کرتے ہیں کہ ان دونوں قسموں میں تو باہم ایسا ارتباط ہے جیسا چراغ اور آئینہ میں وقت انعکاس نور ہوتا ہے علاوہ بریں ایک اور قسم کے احکام ہیں جن سے مقصود مضمون تذلل و تعبد نہیں اگرچہ یہاں بھی بوجہ اطاعت تعبد لازم آجائے بلکہ مقصود یہ ہو کہ مرور دہور کے بعد حدود احکام متغیر نہ ہو جائیں مثلاً اُن نمازوں میں جنکے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں یہ حکم ہوا کہ فرض و سنت کے بیچ میں فصل زمان و مکان کر دینا چاہیے یعنی کچھ دعا مانگ لی یا ایک دو وظیفہ مسنونہ بعد الصلوٰۃ مثل آیۃ الکرسی و تسبیح و تحمید

وبجز بڑھکر دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہٹ کر سنت ما بعد کو پڑھے علیٰ ہذا القیاس قبل رمضان اور بعد رمضان متصل روزہ رکھنے سے ممانعت فرمائی ادھر تاخیر سحور اور تعجیل افطار کی تاکید لگائی مقصود ان سب سے یہی ہے کہ رفتہ رفتہ حدود خداوندی میں افزائش ہو کر ایسی خرابی حسن صورت مجموعہ احکام اسلام میں نہ آجائے جیسے سیر چاولوں میں اُنکے اندازہ سے زیادہ گھی مٹھائی ڈالدینے سے خرابی آجاتی ہے یا فرض کیجئے کسی کے وجود میں آنکھ یا ناک وغیرہ اعضا میں سے کوئی عضو اُسکے وجود کے اندازہ سے زیادہ یا کسی انگرکھہ کرتہ وغیرہ میں آستین وغیرہ اجزا معلومہ میں سے کوئی ٹکڑا اپنے اور اُس کپڑے کے اندازہ سے بڑھکر مجموعہ کی خوبی میں خلل انداز ہوجاتا ہے گو قطع نظر اُس سے کوئی مقدار اُن اشیاء کیلئے معین نہ ہو مگر اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس باب میں اُسی کی رائے معتبر ہے جو اُس حسن و خوبی کے ادراک کا حاسہ بھی رکھتا ہو اندھا حسن صورت بنی آدم میں اس قسم کی رائے نہیں دے سکتا جس کے زبان نہ ہو اطعمہ کی خوبی یا خرابی میں لب کشا نہیں ہو سکتا سو ظاہر ہے کہ سوا انبیاء اس قسم کی بصیرت جس سے صورت مثالی مجموعہ احکام اس طرح معلوم ہوجائے جس طرح آنکھ سے ہمیں تمہیں صورت اجتماعیہ چشم و گوش و بینی و رخسار وغیرہ معلوم ہوجائے عطا نہیں ہوئی ہم لوگ اس باب میں اندھے ہیں اور نیز اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان احکام کا محل وہی احکام ہیں جنمیں مراعات صورت حاصلہ ہو اور جس جگہ صورت پر نظر بھی نہیں فقط معنی ہی مقصود ہے جیسے جہاد میں غرض اصلی اعلاء کلمۃ اللہ ہے دن کو ہو یا رات کو مشرق کی طرف منہ ہو یا مغرب کی طرف تیر سے ہو یا بندوق سے سوار ہو کر کیجئے یا پیادہ تو ایسے احکام ہیں جو نسبت احکام سابقہ احکام متعلقہ ہیں اور وہ اُنکے نسبت احکام متقیہ ہیں یہ اس نام کے سزاوار ہیں وہ اس نام سے احکام محافظت کو مداخلت نہیں ہے تو جب یہ بات مقرر ہو چکی تو ہم احکام محافظت کو احکام انتظامی اور احکام محافظت نام رکھکر عرض پرداز ہیں کہ ان احکام کو نسبت مقاصد اور وسائل کے ایسی نسبت ہے جیسے چراغ کیلئے فانوس ہنڈیا وغیرہ اور آئینہ کیلئے چوکھٹا وغیرہ کو غرض یہ نہیں کہ احکام انتظامی کے سوا تمام احکام فطری ہیں بعض ذرائع مقاصد بعد مرتبہ کے باعث یا بوجہ خفاء عروض بالعرض بھی مرغوب غیر مرغوب نہیں ہوتی ہاں اگر وسائل کو بھی منجملہ احکام محافظت کہئے اور وجہ تسمیہ میں تاویلیں کر لیجئے تو البتہ یہ فرق صحیح رہیگا مگر اس صورت میں تفریعات میں اُن باتوں کے مراعات ضرور ہوگی جو متفرع علیہ میں ہوں۔

جواب اصل پانزدہم - عوام تو مصلحت وغیر مصلحت کو جانتے ہی نہیں اس بات میں اگر جب کشا ہوتے
ہیں تو علما ہی ہوتے ہیں ہاں ہر فرقہ میں باہم فرق عموم وخصوص ہوتا ہے مگر سید صاحب نے یہ لکھا کہ مصلحت
مصطلح عوام کیا ہے اور مصلحت مراد خاص کیا جو اس باب میں نظر کی جاتی کہ اس انتساب میں بے
ادبی لازم آتی ہے یا نہیں ہاں سچائی کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ مصلحت مصطلح عوام کچھ ایسا امر
ہوتا ہی جسمیں دروغ یا دروغگوئی کا انتساب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوجاتا ہی لیکن بایں نظر
کہ انتساب مذکور کی بھی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کا یکساں حکم نہیں منجملہ اُنکے تعریضات بھی ہیں
جنکی معنی مطابقی تو مخالف واقع نہیں ہوتے مگر ادھر مویدات مخالف واقع کی طرف کھینچ لی جاتی ہیں پھر
دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہی جنمیں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں اور ہر قسم سے نبی کو معصوم
ہونا ضرور نہیں اگرچہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سبھی محفوظ رہے ہوں ہمکو لازم پڑا کہ اس باب میں ایک
تحقیق مختصر بقدر ضرورت لکھئے سو سُنئے کہ بعض بعض افعال تو خیر بایں معنی ہوتے ہیں کہ اُنکی وضع
کسی امر خیر کیلئے ہوتی ہی سو جیسے آگ احراق وحرارت کیلئے اور پانی رطوبت اور تربیت کیلئے موضوع
اور مخلوق ہوئے ہیں - ایسے ہی نماز مثلاً تعظیم باری کیلئے موضوع ہوئی ہی جسکی خیریت میں پھر کچھ تامل
نہیں اور جسمیں اصلا شائبہ شر نہیں اور بعض افعال شر محض بایں معنی ہوتی ہیں کہ اُنکی وضع کسی امر شر
کیلئے ہوتی ہی سو جیسے قطع اعضا تخریب بدن اور فساد جسم کیلئے موضوع ہی ایسی ہی ظلم وستم آزار مردم
اور زنا حد سے بیحیائی کیلئے موضوع ہوا ہی علی ہذا القیاس اور افعال کو سوچ دیکھئے مگر بعض افعال
ایسے ہیں جنکی حد ذات اور مرتبہ حقیقت میں نہ کوئی خوبی ہوتی ہے نہ کوئی بُرائی تو یہ اگر نتیجہ حسن کے وسیلہ
اور امر خیر کے ذریعہ ہوجاتی ہیں تو منجملہ محاسن سمجھی جاتی ہیں اور اگر کسی نتیجہ قبیح کے وسیلہ اور امر شر کے ذریعہ
ہوجاتے ہیں تو منجملہ مساوی وذمائم شمار کئے جاتے ہیں مثلاً رفتار ابصار استماع وغیرہ کہ فی حد ذاتہ نہ امور حسن ہیں نہ
قبیح البتہ اگر رفتار مسجد کی طرف ہے تو منجملہ طاعات سمجھی جاویگی اور اگر شرابخانہ یا تکیہ یا چکلہ کیطرف ہے تو سیئات
میں داخل ہوجاویگی اور اگر کہیں دونوں مجتمع ہوجائیں تو پھر غلبہ کا لحاظ کیا جاویگا مثلاً اجتماع رجال و
نسا مساجد میں اگر موجب حصول برکات جماعت ومزید ثواب ہے تو اندیشہ فتنہ اور خوف تعلق خاطر یکے با
دیگرے بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہی اسمیں اگر بکسان یا زمان میں جہت اولی غالب ہو جیسے زمان
برکت توامان حضرت نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم بوجہ کمال زہد صحابہ صحابیات یا غلبہ ایمان بنا

روزگار اندیشہ فساد اگر تھا تو موہوم تھا تو ایسے اوقات میں اجازت ہوگی بلکہ داخل سلسلہ محاسن
ہو جائیگا اور اگر کسی زمان و مکان میں جہت ثانیہ قوی نظر آئیگی تو حکم اول منعکس ہو ممانعت ہو جاویگا اور
یہ فعل از قسم سیئات سمجھا جاویگا۔ اب اس بات کے دیکھنا رہا کہ کذب و تعریض میں اگر قبح ہو تو کس قسم
کا ہے ہم دعوی کرتے ہیں اور سب اہل عقل انشاء اللہ تعالی تسلیم ہی کرینگے کہ کذب بمعنی گفتار مخالف واقع
بذات خود قبیح نہیں البتہ بلحاظ فریب یا بد اعتقادی مردم جس سے اُن کا ضرر متصور ہے یا متیقن قبیح ہو جاتا ہے
ہاں کذب بمعنی فہم مخالف واقع قبیح ذاتی ہے جس کو جہل مرکب کہتے ہیں اس صورت میں اگر گفتار
مخالف واقع کسی موقع میں خالی از مضرت ہو جائے یا اُسکے ساتھ بعد خلو از مضرت کوئی منفعت
بھی لگ جائے یا دونوں مجتمع ہو جائیں تو پھر یہ ممانعت جو کذب مضر کیلئے ہے بحال خود نہ رہیگی پہلی
صورت میں تو بذات خود ایک لغو ہو جائیگا گو بایں لحاظ کہ کذب کی عادت رہیگی تو عجب نہیں کہ کذب مضر
بھی صادر ہو اور اس وجہ سے یہ عادت کذب مضر کی وسائل میں سے ہو جاویگی اور بالعرض قبح کذب مضر
اس پر عارض ہو جاویگا منجملہ قبائح شمار کیا جا سکتا ہے بہر حال قبح آثار و اضرار مردم سے بالفعل یہ
کذب خالی ہوگا۔ اس کی مثال تو اُن جھوٹے قصے کہانیوں کا مشغلہ سمجھئے اور دوسری صورت
یعنی جسمیں بعد خلو از مضرت کوئی نفع بھی لاحق ہو جاوے یہ کذب داخل حسنات ہوگا اس میں اگرچہ عاقل
کو کچھ شبہ نہیں ہو سکتا لیکن بہر تسکین مثال بھی معروض ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بطور
ترغیب ارشاد لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس او کما قال خود اس بات پر شاہد ہے
کہ کذب محمود ہے ہاں اگر قرینہ مقام سے قطع نظر کیجئے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسمیں اگر نفی ہے
تو کذب یعنی اُسکی قبح کی نفی ہے جس سے اُسکا سیئہ اور معصیت نہ ہونا ثابت ہوتا ہے طاعت ہونا
ثابت نہیں ہوتا لیکن اس بات کا اگر لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشاد اُس تردد اور توہم کے مدافعت
کیلئے ہے جو بوجہ ذہن نشین ہو جانے خرابی کذب کی ایسی اصلاحوں سے مانع ہوتا ہے جو بیان
خلاف واقع پر موقوف ہو تو پھر یہ ارشاد مسوق لاجل المدح ہی ہوگا اور تیسری صورت میں غلبہ
و قوت جہات متعارضہ پر نظر رکھنی چاہیے اگر جہت منفعت غالب ہے تو منجملہ نافعات اور جہت
مضرت غالب ہے تو منجملہ مضرات سمجھا جائیگا پھر اگر منفعت دینی ہے تو حسنات دینی میں شمار کیا جاویگا
اور منفعت دنیوی ہے تو حسنات دنیوی میں شمار کیا جاویگا مثلاً اطعام طعام یا تعلیم علوم دنیوی

پر منفعت دنیوی اور راحت دنیوی متفرع ہوتی ہے اور تعلیم و تلقین علوم دین پر راحت دینی تو اول حسنات
و احسانات دنیوی دوم حسنات و احسانات اخروی ہے اور تزکیہ و تہذیب قلب بغرض انبعاث
محبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر راحت اخروی میں سے ہونگے اور اس تفاوت کی
وجہ سے اول کو ثانی سے کچھ نسبت نہ ہوگی مشروعیت قتال کفار اور اُس کا حسنات میں
داخل ہو جانا اسی قسم میں سے ہے کیونکہ قتال مذکور قطع عضو فاسد جسمیں خیر خواہی بدن باقی ظاہر
ہے منجملہ رفاہ باقی مخلوقات سمجھا گیا جب اسقدر آزار مقتولین دفع فساد کے لئے ثواب مستحسن ٹھیرا
تو کذب صریح جسمیں کفار کو دھوکا دینا مد نظر ہو بغرض دفع فساد و اعلاء کلمۃ اللہ کیوں کر مستحسن
نہ ہوگا اسکا آزار اُس آزار سے جس سے بڑھکر کوئی آزار دنیوی نہیں یعنی قتل کچھ نسبت نہیں
رکھتا جب مرض مذکور جائز ہوا تو یہ کیونکر نہ ہوگا اور وہ حسنات میں سے ہوا تو یہ کیونکر
نہ ہوگا۔ یہ مسلم کہ دفع فساد و قتال مذکور سے حاصل ہوتا ہے اور کذب فی الحرب جو بطور خدعہ
کام آتا ہے چنانچہ ارشاد ہے الحرب خدعۃ بغرض سہولت دفع فساد مطلوب ہے اسلئے تا مقدور
کذب صریح جائز نہ ہوگا تعریضات سے کام لیا جائیگا بلکہ انبیاء کرام اگر تعریضات کو بھی
مکروہ سمجھیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے مترشح ہے تو کچھ عجب نہیں ہاں جس جگہ
دفع فساد خود کذب ہی پر موقوف ہو جیسا کبھی باصلاح بین الناس میں ہوتا ہو تو پھر یہ تامل بیجا ہے
بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی
سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں پھر تس پر تعریضات جو واقع میں اقسام کذب میں سے نہیں ہوتی
بلکہ مشابہ کذب ہوتی ہیں ہرگز مخالف شان نبوت نہیں ہو سکتے علیٰ ہذا القیاس کسی امر مستحب کا اس
لحاظ سے ترک کر دینا کہ اسمیں کوئی فساد عظیم جسکا وزن منفعت استحباب سے بڑھ جائیگا پیدا ہوگا اگرچہ
بظاہر مستلزم ایہام مخالفت واقع ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا کسی بات کو ترک کر کے ایک انداز
کو اختیار کر لینا اس جانب مشیر ہو کہ یہی انداز مستحسن ہے، اور امر متروک غیر مستحسن اور یہ امر بوجہ ایہام مخالف منجملہ
دروغ سمجھا جاتا ہے ہرگز مخالف شان نبوت نہیں بلکہ موافق شان نبوت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
کا خانہ کعبہ کو بطور سابق رہنے دینا اور منہدم کر کے بنائے ابراہیمی پر نہ بنانا اور دہلیز کا زمین سے نہ لگا دینا
اور خود دروازہ ایک شرقی ایک غربی نہ بنانا حالانکہ آپ کے کلام سے اسی جانب رغبت ٹپکتی تھی اور آپ کی رغبت خود

ایک دلیل مستجاب ہے نقط اسی وجہ سے تھا کہ اس کے منہدم کرنے میں جاہلان اُمت سے جو خیر
میں بکثرت مسلمان ہوگئے تھے یقین ارتداد و مخالفت تھا سو آپ نے سمجھا کہ اس تغیر و تبدل یا
اتنا نفع نہ ہوگا جتنا نقصان ہوگا۔ اس تغیر و تبدل میں تو فقط اتنا ہی نفع ہے کہ وقت طواف و
دخول خانہ سہولت رہتی اور خانہ کعبہ حالت اصلی پر آجاویگا اور ظاہر ہے کہ اس میں کچھ ترقی دین
نہیں جو انبیاء علیہم السلام کا اول کام ہے۔ ہاں نقصان اتنا کچھ ہے کہ انبیاء علیہ السلام کو
اُس سے زیادہ کوئی نقصان نظر نہیں آتا۔ وہ کیا ہے ارتداد جم غفیر ہے۔ جو بالکل مخالف
غرض نبوت ہے اور پھر مخالفت بھی شدیدہ انبیاء لوگوں کے مسلمان کرنے کے لئے آتے
ہیں۔ یہاں اُلٹا اور کفر بعد اسلام لازم آتا تھا الغرض انبیاء علیہم السلام کو اُن امور میں جو
بذات خود نہ حسن ہوں نہ قبیح منافع و مضار پر نظر رہتی ہے۔ پھر جیسے مزاج انسانی کی گرم سرد
کہنے میں باوجود موجود ہونے اربعہ عناصر کے غلبہ عناصر پر نظر ہوتی ہے۔ اسی طرح درصورت
تعارض منفعت و مضرت غلبہ کا اعتبار کیا جاویگا۔ چنانچہ خداوند کریم نے بھی تحلیل و تحریم
میں اسی پر نظر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں فیہما اثم کبیر و منافع للناس واثمہما
اکبر من نفعہما ہاں کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک شے اکثر مظہر مضرت ہوتی ہے اور
مظہر منفعت فقط گاہ و بیگاہ ہوجاتی ہے۔ جیسے کذب اکثر اس سے مضرت
ہی نکلتی ہے۔ پس پر کلام جس غرض کے لئے موضوع ہوا ہے یعنی اظہار مافی الضمیر مظہر
منفعت ہو یا مضرت کذب اُسکے مخالف واقع ہوتا ہے تو ایسے مواقع میں اندیشہ مخالفت
ابناء روزگار رہتا ہے اور یہ مخالفت موجب تنزل دین و خرابی انتظام دین ہوجاتی ہے
اس لئے انبیاء کرام تا مقدور تعریضات سے محترز رہتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کار
پردازان کارخانجات رفاہ کو جن کی درستی ایک عالم کے اجتماع پر موقوف ہو
جیسے مثلاً مدرستہ العلوم لازم ہے کہ ایسی باتوں سے پرہیز کریں کہ عوام اہل اسلام کے
تنفر کا باعث ہو۔ قطع نظر حرمت و کراہت ذاتی کے ایسے شخص کو بہت سے محرمات
و مکروہات کے استعمال سے ایسی خرابی کا دیکھنا پڑیگا جسکے باعث اپنی اُمید دیرینہ سے
دست برداری اور محرومی کا کھٹکا ہے بالجملہ انبیاء علیہم السلام کے کار ہیں [illegible]

نہیں ہوتی یعنی دنیا کے مقاصد کو پیرایۂ دین سے طلب نہیں کرتے پر اسمیں بھی شک نہیں کہ
دانشمندانہ ہوتے ہیں جاہلانہ نہیں ہوتے سو اگر اسی مصلحت اندیشی کی تجویز پر اندیشہ کفر
ہے تو یہ عین ایمان کی باتوں پر کفر کا فتویٰ دینا ہے اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ
وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ اسکے بعد یہ گذارش ہے کہ بحث مباحثہ اپنا
شیوہ نہیں خواہ مخواہ کسی کی بات میں دخل دینے کی عادت نہیں اور ہوتی بھی تو کیا
ہوتا حسب ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اذا رایت ھوی متبعا وشحا مطاعا ودنیا
مؤثرۃ واعجاب کل ذی رائی برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع امر العوام
او کما قال اس زمانہ میں مستحسن بھی ہے کہ کتنی ہی بڑی زبان کیوں نہ ہو پر اپنے منہ میں لئے بیٹھے
رہنا چاہئے کیونکہ جو سامان خیر خواہی کے موثر ہونے کے ہیں وہ یک لخت مفقود ہو جاتے
ہیں اور جو سامان اُلٹے تعصب کے ہیں ایسے اوقات میں سب فراہم نظر آتے ہیں
اس صورت میں موافق فرمودۂ مومن ؎

غرض ایمان سو ضد اس غارت گر دین کو ٹھہری		تجھسے ملے مومن خدا سمجھے یہ تونے کیا کیا

اُلٹا ترقی باطل کا کھٹکا ہوتا ہے بالجملہ یوں تو یہ کھٹکا ہمیشہ ہی ہوتا ہے پر آجکل پہلے
سے زیادہ باتیں نظر آتی ہیں۔ قدیم سے لیکر آجتک جو یہ رہا کہ ایمان کم اور کفر زیادہ تو اُس کا
باعث یہ تھا کہ خواہش کا غلبہ بخل کا زور دنیا کی آخرت سے عزت زیادہ رہی۔ پھر ہر شخص
اپنی عقل پر نازاں اسلئے باوجود اسکے کہ اسلام کیلئے کتابیں نازل ہوئیں پیغمبر آئے
معجزے دکھلائے اولیاء کی کرامتیں علماء کے دلائل نے حق و باطل کو ظاہر کر دیا ثواب و عقاب کے
وعدے وعید سے بتلایا ڈرایا مطیعوں کو دنیا میں غالب مخالفوں کو مغلوب کیا اور کفر کے لئے
ان سامانوں میں سے ایک بھی نہ تھا کفر ہی زیادہ رہا اسلام کبھی عالم میں زیادہ نہ ہوا حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ وہ احسان کیا کہ کسی صاحب فہم نے اپنی قوم کے ساتھ
کیا ہوگا یعنی عذاب شدید اور قید فرعون سے چھڑا کر بادشاہ روئے زمین بنا دیا۔ تسپر وہ اولوالعزمی
تو جدا ویسے ایسے معجزے کا ہیکو ہوتے ہیں۔ ادھر توافق ملت اور بھی اطاعت کیلئے
مد لیکن بایں ہمہ تسلیم احکام میں یہ دقت تھی کہ پہاڑ ونکو سر پر اُٹھا اُٹھا معلق کرنا پڑتا تھا

مگر سامری کے ایک کرشمہ بے معنی پر جو ایک صورت جہل تھی نہ سوال تھا نہ جواب تھا دم کے دم میں سب لٹو ہو گئے حالانکہ وہ کرشمہ بے معنی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل تھا نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اُنکی مدد کیلئے آتے نہ اُنکے اسپ مادہ کی خاک سم کی تاثیر دیکھکر سامری اُس خاک سے اپنا کام لیتا وجہ اس برعکسی کی اور کیا ہی ہی ہو کہ یہ چار باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منشاء کی ترقی کے مانع اور سامری کی ترقی منشاء کے لئے مؤید تھیں جس میں سے اپنی عقل پر اعتماد کر لینا جسکو بصیغہ اعجاب کل ذی رائے برائیہ ادا کیا ہی خیر خواہی کے بیکار جانیکا سبب اعظم ہے اس وجہ سے اس زمانہ میں ایسی باتوں میں مغز زنی بیہودہ نظر آتی ہے۔ مگر کچھ آپ کا اصرار اور کچھ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد کچھ جناب سید صاحب کے اخلاق و انعطاف کی شہرت نظر بریں درد مندی و محبت سلام نے جو ہمت والوں اور خیر خواہان عالم کے ساتھ زیادہ ہونی چاہیئے رہنے نہ دیا۔ پرسوں یہ خط ملا تھا بعد ظہر جواب شروع کیا تھا اوقات مختلفہ میں لکھکر اسوقت مابین ظہر و عصر تمام کیا۔ پر یہ سوچتا ہوں کہ یارب اسکا انجام کیا ہوتا ہی بعد تغیر و تبدیل و الحاق و تغلیط تصحیح سے دیکھیے سید صاحب راضی ہوتے ہیں یا ناخوش ہو کر درپے تردید قلم اُٹھاتے ہیں مگر میں نے بھی ٹھان رکھا ہی کہ ایسی جھگڑے میں پڑ کر اپنی اوقات خراب کیجیے ہاں اگر آثار انصاف پرستی جناب سید صاحب کی طرف سے نمایاں ہوئے اور بحکم امرہم شوریٰ بینہم اپنے خیالات سابقہ و حال میں مجھ سے بھی مشورہ کرینگے تو انشاء اللہ حسب ارشاد المستشار مؤتمن مشورہ خیر سے دریغ نہ کرونگا۔ مگر جب اپنی حیثیت اور اُنکی وجاہت پر غور کرتا ہوں تو یہ خیال ایک آرزوئی خام نظر آتا ہی اور خود مجھکو اپنے اس جنول پر ہنسی آتی ہے۔ خیر ہر چہ باد باد اب تو آپ کی خدمت میں اس مسودہ ہی کو ارسال کرتا ہوں پر بنظر مصلحت چند در چند یہ گذارش ہو کہ آپ بہت جلد ان اوراق کی نقل کرا کر مقابلہ کرکے نقل کو جناب سید صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیں اور ہر اصل کو بجنسہ بہت جلد میرے پاس واپس بھیجدیں اور میری طرف سے بعد سلام یہ گذارش فرمادیں کہ مگر اثنائے تحریر میں کوئی کلمہ مخالف طبع بوجہ جہل و غفلت مجھ سے سرزد ہو گیا ہو تو معاف فرمادیں کہ ہم قصباتی اہل گفتگو سے خوب واقف نہیں باقی یہ آپکا ارشاد کہ اجماع اور او توحید و کفر

منجملہ محالات ہے بیجا ہے کیونکہ یہ ایسا اجتماع ہے جیسے فرض کیجیے کسی روح میں حیوان ناطق اور حیوان ناہق دونوں مجتمع ہوجائیں سوکون نہیں جانتا کہ یہ اجتماع ازقسم اجتماع الضدین ہے پر اس میں بھی شک نہیں کہ روح انسانی کا صورت حمار و سگ و خوک میں آجانا اور ویسے ہی ارواح کو ایسے اجسام کے ساتھ متعلق کردینا جس طرح ممکن ہے اسی طرح ایمان کا صورت کفر میں ظہور کرنا اور کفر کا صورت ایمان میں ظاہر ہونا بھی ممکن ہے اور اسی طرح کے ظہور کے بعد جیسے روح انسانی کو بوجہ صورت وجسم حیوانی سگ و خوک وخر کی اقسام میں سے شمار کیا جاتا ہے اور مثل حیوانات مذکورہ اس سے بھی ہر کسی کو نفرت ہوجاتی ہے اور تمام یا اکثر معاملات اسوقت اُسکے ساتھ ایسے ہی کئے جاویں گے جیسے اور حیوانات کیساتھ کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ جانتے ہوں کہ اس جسم کے پردہ میں روح انسانی مستور ہے ایسی ہی اُس اسلام و ایمان کے ساتھ جو پیرایہ کفر رکھتا ہو خداوند بے نیاز وجمیل کو بمقتضائے اللہ جمیل یحب الجمال ایمان کے بُری صورتوں کو پسند نہیں کرتا نفرت ہوجاویگی اور تمام یا اکثر معاملات وہی کئے جاویں گے جو کفر حقیقی کے ساتھ کئے جاتے ہیں زیادہ حکمت بلقمان آموختن است اللہم اھدنا وایاہ الی سواء الصراط واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

بعالیخدمت جناب سید احمد خانصاحب عافاہ اللہ وایای فی الدنیا والآخرۃ

کمترین ہیچمدان محمد قاسم بعد سلام مسنون گذارش پرداز ہے کہ کل دوشنبہ کے دن دیوبند ہے آپ کا وہ عنایت نامہ جس میں تیرہ سوال متعلق زمین و آسمان تھے اس ہیچمدان کے پاس پہنچا اور باعث حیرت ہوا وجہ سوال دیر تک سوچی کچھ سمجھ میں نہ آئی تسپر آپ جیسے عاقل و فہیم و واقفکار کلام اللہ وحدیث کی طرف سے ان سوالوں کا آنا اور بھی تعجب انگیز ہے جی تو یہی چاہتا تھا کہ کیوں اس جھگڑے میں پڑیے اور اپنی اوقات کو خراب کرائیے پر آپ کی عنایتوں کی مکافات تھوڑی بہت ضروری سمجھکر جواب سوالات بتفصیل تو نہیں لکھتا ہاں بتقریب جواب خط کچھ اشارہ کئے جاتا ہوں جناب سید صاحب اپنا تو یہ مشرب ہے اور آپ غور فرماوینگے تو آپ بھی انشاء اللہ ہماری ہی راہ لیں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تعلیم زبان و لغات کیلئے تشریف نہیں لائے بلکہ اُسی

زبان کے محاورات میں اُمتیوں کو تعلیم فرمایا ہے جو اُنکی اصلی زبان ہوتی ہے۔ خود خداوند کریم فرماتے ہیں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔ اس صورت میں سماء اور ابواب کے معنی جو کچھ زبان عربی میں ہونگے وہی لینے ضرور ہونگے ہاں ہر زبان میں جیسے حقیقی معنوں میں الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور بے تکلف اُن الفاظ سے وہ معانی مراد لیتے ہیں۔ تنبیہ اور قرینہ کے محتاج نہیں رہتے ایسے ہی بعض اوقات بہدایت قراین معنے مجازی بھی مراد لیتے مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ اس صورت میں معنی مجازی کا لینا خود معنی حقیقی کی تحقیق کی دلیل ہوگا والعاقل تکفیۃ الاشارۃ علیٰ ھذا القیاس ابواب اور اعداد مثل خمس مائۃ اور ستین اور سبعون وغیرہ الفاظ سے معانی وہی مراد لئے جائیں جو معانی عرب کے لوگ اُن سے مراد لیتے ہیں اور بایں خیال کہ میرے یا تمہارے خیال میں یہ باتیں اور یہ مضامین محض بے فائدہ سمجھ میں آتے ہوں اُن معانی میں انحراف نہ چاہیئے۔ آپ بھی فرمائیں کہ آپ کی اور ہماری عقل و دانش ہی کیا ہے جس کی پتی خدا کی مصنوعات میں رائے لگانیکو تیار ہوں۔ ہمارے وجود میں جسقدر اجزاء بند ہیں اُنکی حقیقت اور اُنکی غرض آجتک ہم کو معلوم نہیں ہوئی۔ اور اگر ایک دو کی نسبت کوئی سخن ناتمام کسی نے کہہ بھی لیا تو کیا ہوا اس سارے عالم کی اجزاء اور ارکان ہمکو کیا معلوم ہونگی اور پھر اُنکے حقائق اور اغراض کی کیا اطلاع ہوگی اس لئے کلام شارع میں جس امر کی خبر یا جس حقیقت کے اثر کا ذکر ہو ہمکو بے تامل ماننا ضرور ہے۔ ہاں مراتب اختیار کے موافق مراتب تسلیم و ایمان کا ملحوظ رکھنا ضرور ہے مگر چونکہ ادنی درجہ کی روایت حدیث سے بشرطیکہ کسی اعلیٰ درجہ کی روایت یا اپنی کسی مساوی ہی درجہ کے معارض نہ ہو بڑے بڑے مورخوں کی روایتوں سے زیادہ قابل اعتبار ہے اسلئے کہ محدثین نے جن شرائط کو روایت میں ملحوظ رکھا ہے اوروں سے اُنکا لحاظ نہ ہوسکا اور نہ اُن کے راوی حدیثوں کی روایت کو پہنچیں وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں تو اس لئے فرق مراتب مذکور اگر کچھ اثر کریگا تو اہلِ ایمان کے حق میں اعتبار ہی کے مراتب کے بڑھانے گھٹانے میں اثر کریگا۔ موجب بے اعتباری نہ ہوگا۔ بہرحال نہ اپنے خیال کا وہ اعتبار کی

نہ کسی تاریخ کا وہ اعتبار ہو جسقدر حدیث ضعیف کا اعتبار ہونا چاہیے اور اگر کسی امام
نے قیاس کو حدیث ضعیف سے بڑھکر بھی سمجھا ہو تو اسکی یہ وجہ ہے کہ قیاس ماخوذ حدیث
صحیح یا متواترات سے ہوتا ہو اس صورت میں حدیث ضعیف سے قیاس بڑھکر نہ رہا وہ حدیث
صحیح یا متواترات اس سے بڑھکر رہی ہاں اگر خدا اور رسول کی طرف جھوٹ بولنے کا احتمال
ہو یا قدرت خدا کے سامنے ایسے ایسے امور عظام کا پیدا کرنا محال ہو تو البتہ ایسی باتوں
میں تامل کی گنجایش ہے مگر آپ ہی فرمایئے کہ ان باتوں میں سے کون سی بات
محال ہے خداوند قدیر ایسے سات جسم جن کا دل تو پان پانسو برس کی مسافت کے برابر
ہے اور وسعت کو خدا جانے نہیں بنا سکتا یا اُن میں پانسو برس کی مسافت کی ہو فی
فاصلہ نہیں کھ سکتا اور یا آفتاب اور قمر کا اپنے حیز سے حرکت کرنا محال ہو یا آسمانوں
میں دروازوں کا ہونا منجملہ ممتنعات ہے یا سات زمینیں مثل سات توپ کے گولوں کے
جُدی نہیں بنا سکتا یا اُن کے بیچ میں پان پانسو برس کا فاصلہ نہیں کھ سکتا یا اُنپر
آبادی نہیں ہو سکتی ممکن اور محال کی تعریف کو اُن اُمور پر مطابق کر کے دیکھئے معلوم نہ ہو تو
پوچھئے ہاں اتنی گذارش ملحوظ رہے کہ محال و ممکن کی تعریف کسی کسی کو معلوم ہے یہی وجہ ہوئی
کہ بڑے بڑے آدمی اکثر ممکنات کو محال سمجھ بیٹھے مگر پہلے سے کسی کی نسبت یہ گمان کر لینا
کہ وہ سمجھتے نہ ہونگے کسی عاقل کا کام نہیں اور نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ خاتم النبیین سے
یہ بات بالیقین سمجھنی ضرور ہے کہ عالم میں اس زمین میں کوئی نبی ہو یا کسی اور زمین میں سب آفتاب
ذات محمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مستفید ہیں جیسے آفتاب سے آئینہ مستنیر یا قمر منیر
یا نیرات افلاک یا ذرات خاک یعنی جیسے در و دیوار مقابل آئینہ مستنیرہ کے نور معدن کے تجسس
کرتے ہیں تو فرض کرو آئینہ پر نظر پڑتی ہے اور اُسکے نور کے بعد معدن کو ڈھونڈتی ہے تو
آفتاب تک پہنچتے ہیں اور پھر آفتاب پر سیر ختم ہو جاتی ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آفتاب کا نور
کہیں اور سے اسی طرح آیا ہے ایسے ہی اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ
کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان ہونا اسی طرح
لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کر دینا یا کھیتی میں بال کا سب میں پیچھے ظاہر

ہونا اس بات کی تحقیق زیادہ مطلوب ہو تو رسالہ تحذیر الناس مؤلفہ احقر مطبع صدیقی بریلی سے منگا دیکھئے اس وقت اور نبیوں میں جو انبیاء آپ کے مشابہ ہونگے اُن کی شاہبت ایسی ہوگی جیسے عکس آفتاب جو آئینہ میں ہوتا ہے ہو بہو آفتاب کے مشابہ ہوتا ہے اور پھر سب جانتے ہیں کہ آفتاب اصل ہے اور عکس آفتاب اُسی کا پرتو اور نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ جیسے آگ کو دیکھکر حرارت کی نسبت بھی یقین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حرارت کو کہیں پاکر آگ کا تیقن کم فہمی کی نشانی ہے یہ جُدی بات رہی کہ حرارت کیلئے جیسے آفتاب سبب ہو سکتا ہے ایسے ہی آگ بھی سبب ہو سکتی ہے غرض طلوع و غروب صیف و شتا خسوف و کسوف کا حساب جیسے اس صورت میں راست آجاتا ہے کہ آفتاب کو ساکن ماننے اور زمین کو متحرک رکھئے ایسے ہی اس طرح بھی برابر آتا ہے کہ آفتاب کو متحرک کہئے اور زمین کو ساکن تجویز کیجئے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر آفتاب کے لئے حرکت سالانہ ہو اور زمین کے لئے حرکت وضعی مخالف جہت حرکت آفتاب ہو تب بھی یہی ثابت ہے اور اگر دونوں کو متحرک فی المدارین رکھئے پر ہر ایک کی جہت جُدی ہو اور سرعۃ و بطو میں یہ حساب ہو کہ جتنی دیر میں بطلیموسیوں کے نزدیک آفتاب اپنا دورہ پورا کرتا ہے اُس سے دوچند دیر تو اُس کے لئے رکھئے اور جتنی دیر میں فیثاغورسیوں کے نزدیک زمین اپنی حرکت وضعی پوری کرتی ہے اُس سے دوچند دیر اُسکے لئے رکھئے تو بھی یہی حساب برابر آئے اور اگر سرعت و بطو میں اس تفاوت کے سوا اور تفاوت تجویز کیجئے۔ پر جتنا ادھر گھٹتا ہے اُدھر اُتنا ہی بڑھا دیجئے مثلاً یہ چالیس گھنٹہ میں دورہ پورا کرے تو وہ چھپن میں حرکت مجوزہ طرفین سے کسی کی حرکت زیادہ سریع ہو تو پھر ہزارہا اصل نکل آئیں گے۔ اس صورت میں یقین احتمال واحد بالیقین اُس سے بھی زیادہ نادانی کی بات ہے کہ کسی پتھر کی فقط حرارت کے وسیلہ سے آگ کا یقین کر لینا کیونکہ وہاں دو تین ہی اصل تھی یہاں غیر متناہی احتمال ہیں ہاں جیسے آگ کے وسیلہ سے پتھر کی حرارت کا یقین اپنی آنکھ کے بھروسے یا کسی مخبر صادق کے بھروسے کر سکتے ہیں ایسی ہی تعین احتمال واحد یعنی حرکت آفتاب بوسیلہ قرآن شریف یعنی جہت یسبحون وغیرہ اور نیز احادیث کثیرہ کر سکتے ہیں باقی اس نے

زیادہ گفتگو کرنی کہ پھر زمین بالکل ساکن ہی ہے۔ یا کوئی حرکت اس کی بھی ہے۔ اور کواکب میں آبادی بھی ہے یا نہیں اور زمین ٹھوس ہے یا اسکے بیچ میں کچھ خلو یا آبادی بھی ہے۔ اور آسمان محیط عالم کروی یا بیضوی ہے یا مثل تختہ مسطح ہے ایک و سبع چیز او وسبع سیارہ میں ہے ہر ایک کیلئے آسمان ہے یا ایک ہی میں مرکوز ہیں یا کسی میں مرکوز نہیں تو اُن میں افلاک جزئی ہیں یا آسمان کا ثخن ایک جسم سیال ہے اور اسی وجہ سے کواکب اس طور سے متحرک ہیں کہ قرب بعد مشہود صحیح ہو جاتا ہو اور باینہمہ مثل آب حوض کر باوجود تحرک و سیلان کے مجموعہ کا حیز وہی رہتا ہے آسمان بھی اپنے حیز سے نہیں نکلجاتا علے ہذا القیاس یہ بات کہ اُن دروازوں میں کنڈے زنجیر بھی ہیں یا انگریزی کھٹکے ہیں اور ایسی ہی یہ بات کہ کواکب تمام بالذات روشن ہیں یا بالعرض یہ ساری باتیں ہماری توجہ و توغل کے قابل نہیں کیونکہ امکان ہر طرح کا ہے۔ مخبر صادق کی طرف سے کوئی تصریح نہیں ہاں عرش کرسی میں بعضے الفاظ اس جانب مشیر نہیں کہ یہ دو چیزیں ہفت آسمان سے علیحدہ ہیں اور بعض الفاظ اس جانب موہم ہیں کہ انہیں میں دو کا نام عرش کرسی ہو مگر چونکہ اس باب میں شارع کی طرف سے نہ کوئی تصریح ہے نہ کوئی تکلیف عقیدہ براہ استدلال الہٰی نہ آپ کو اس باب میں سوال مناسب ہے نہ ہمکو جواب واللہ اعلم بالصواب بالجملہ جیسے اس جملہ میں کہ کچہری کھل گئی یا اُسکا دروازہ کھل گیا بعد استماع اور علم وضع حاجت تحقیق نہیں رہتی کہ دروازہ سے کیا مراد ہے اور کچہری کی کیا حقیقت اسی طرح نصوص شرعیہ معلوم الوضع غیر مشابہ اور مشابہ کو سنکر اُنکے معنی یا حقیقت میں متامل ہونا آپ سے عاقلوں کا کام تو کیا جاہلوں کا کام بھی نہیں اور جو بات شرع کی طرف سے بیان ہوئی اور احتمالات عقلی اُسمیں گوناگوں ہوں اُسکی تحقیق بغرض عقیدہ محض تضییع اوقات اور اگر خدانخواستہ پاس سخن ہو اور آپ سے عاقلوں کو کاہیکو ہوگا تو اُسوقت نہ پوچھنے سے کچھ فائدہ نہ بتلانے سے کچھ نفع۔

والسلام مخطوط شکریہ کہ سید احمد خاں صاحب کے خط کا جواب ختم ہوا۔

تمت بالخیر